شمارہ نمبر ۱۵ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ، جنوری ۲۰۱۰ء

اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے، مخلوق سے جدا ہے، اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

ھذہ الصّفات من الاستواء والاتیان والنّزول قد صحّت بھا النّصوص ، ونقلھا الخلف عن السّلف ، ولم یتعرّضوا لھا بردّ ولا تأویل ، بل أنکروا علی من تأوّلھا مع اصفاقھم بأنّھا لا تشبہ نعوت المخلوقین ، وأنّ اللّٰہ لیس کمثلہ شیء ، ولا تنبغی المناظرۃ ، ولا التّنازع فیھا ، فانّ فی ذلک محاولۃ للرّدّ علی اللّٰہ ورسولہ أو حوما علی التّکییف أو التّعطیل ...

''یہ صفاتِ الٰہی ، یعنی استواء (اللہ تعالیٰ کا عرش پر بلند ہونا)، اتیان (قیامت کے دن بندوں کے فیصلے کے لیے آنا) اور نزول (ہر رات آسمانِ دنیا پر اترنا)، ان کے بارے میں نصوصِ صحیحہ وارد ہو چکی ہیں اور بعد والوں نے ان کو پہلوں سے نقل کیا ہے، وہ ان کے ردّ یا ان میں کرنے میں مصروف نہیں ہوئے، بلکہ انہوں نے ان صفات میں تاویل کرنے والوں پر نکیر کی ہے، نیز ان کا اتفاق ہے کہ صفاتِ الٰہی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں، اس بارے میں مناظرہ و تنازع جائز نہیں، کیونکہ ایسا کرنا اللہ و رسول کی مخالفت کی کوشش ہے یا صفاتِ الٰہی میں تکییف و تعطیل کی سازش ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء للذہبی : ۱۱/۳۷۶)

دلیل نمبر ⑪ : **عن أبی ھریرۃ ، قال : قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم :**

((ینزل ربّنا تبارک وتعالیٰ فی کلّ لیلۃ الی السّماء الدّنیا حین یبقیٰ ثلث اللّیل الآخر ، فیقول : من یدعونی ، فأستجیب لہ ؟ من یسألنی ، فأعطیہ ؟ من یستغفرنی ، فأغفر لہ ؟))

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمارا ربّ تبارک و تعالیٰ ہر رات کو، جب آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمانِ دینا کی طرف نزول فرماتا ہے، پھر فرماتا ہے، کون ہے جو مجھے بلائے اور میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے معافی مانگے اور میں اسے معاف کروں؟'' (صحیح بخاری : ۱۱۴۵، صحیح مسلم : ۷۵۸)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

هذا الحديث لم يختلف أهل الحديث في صحّته ، وفيه دليل على أنّ اللّٰه تعالىٰ في السّماء على العرش من فوق سبع سماوات ، كما قالت الجماعة ، وهو من حجتهم على المعتزلة ...

''محدثین کا اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت نے کہا ہے، یہ حدیث معتزلہ کے خلاف اہل سنت والجماعت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔'' (التمهيد لابن عبد البر : ١٢٩/٧)

نیز لکھتے ہیں: **وهذا أشهر وأعرف عند الخاصّة والعامّة وأعرف من أن يحتاج فيه الى أكثر من حكايته ، لأنّه اضطرار ، لم يؤنّبهم عليه أحد ، ولا أنكره عليهم مسلم ...**

''یہ (دعا کے وقت آسمان کے طرف ہاتھ اٹھانا) خواص وعوام کے ہاں مشہور معروف ہے، اس کی شہرت ومعرفت اس بات کی محتاج نہیں کہ اسے بیان کیا جائے، کیونکہ اسے ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، کسی نے بھی مسلمانوں پر اس بات کا اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی کسی مسلمان نے ان پر اس بات کی نکیر کی ہے۔''

(التمهيد لابن عبد البر : ١٣٤/٤)

دلیل نمبر ⑫ : **عن أنس بن مالك رضى اللّٰه عنه (في حديث الاسراء) : فالتفت النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم الى جبريل ، كأنّه يستشيره في ذلك ، فأشار اليه جبريل أن نعم ان شئت ، فعلا به الى الجبّار ، فقال ، وهو مكانه : ((يا ربّ ! خفّف عنّا ، فانّ أمّتى لا تستطيع هذا)) ...**

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے (معراج کی حدیث میں) روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کی طرف مشورہ طلب نگاہوں سے دیکھا تو جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے، پھر جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی، اس حال میں اللہ تعالیٰ اپنی جگہ پر تھا، اے میرے ربّ! ہم پر تخفیف فرما، میری امت اس (پچاس نمازوں کے حکم کو بجالانے کی) طاقت نہیں رکھے گی۔'' (صحيح بخاری : ٧٥١٧)

دلیل نمبر ⑬ : **عن ابن عبّاس ، قال : بلغ أبا ذرّ مبعث النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فقال لأخيه : اعلم لى علم هذا الرّجل الّذى يزعم أنّه يأتيه الخبر من السّماء ...**

''سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوذرّ رضی اللہ عنہ کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا، تم میرے لیے اس آدمی کی خبر معلوم کرو، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس

آسمان سے خبر (وحی) آتی ہے۔'' (صحیح بخاری : ۳۵۲۲، صحیح مسلم : ۲۴۷۴)

دلیل نمبر ⑭ : عن أبی هریرة عن النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، قال : ((انّ للّٰه تبارک وتعالیٰ وملائکة سیّارة فضلا یبتغون مجالس الذّکر ، فاذا وجدوا مجلسا فیه ذکر قعدوا معهم ، وحفّ بعضهم بعضا بأجنحتهم ، حتی یملؤوا ما بینهم وبین السّماء الدّنیا ، فاذا تفرّقوا عرجوا وصعدوا الی السّماء ، قال : فیسألهم اللّٰه عزّوجلّ ، وهو أعلم بهم : من أین جئتم؟)) الحدیث .... ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے معزز فرشتے زمین میں چلتے پھرتے اور ذکر کی مجالس تلاش کرتے رہتے ہیں، جب وہ کوئی ایسی مجلس پا لیتے ہیں، جس میں اللہ کا ذکر ہو رہا ہوتا ہے تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں، (بھیڑ کی وجہ سے) وہ ایک دوسرے کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان سے لے کر آسمانِ دنیا تک تمام خلا بھر جاتا ہے، جب وہ منتشر ہوتے ہیں تو آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، اللہ عزوجل باوجود بہتر جاننے کے ان سے سوال کرتا ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو؟'' (صحیح مسلم : ۲۶۸۹)

دلیل نمبر ⑮ : عن أبی هریرة ، قال : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : ((انّ اللّٰه اذا أحبّ عبدا دعا جبریل ، فقال : انّی أحبّ فلانا فأحبّه ، قال : فیحبّه جبریل ، ثمّ ینادی فی السّماء ، فیقول : انّ اللّٰه یحبّ فلانا فأحبّوه ، فیحبّه أهل السّماء ، قال : ثمّ یوضع له القبول فی الأرض ، واذا أبغض عبدا دعا جبریل ، فیقول : انّی أبغض فلانا فأبغضه ، قال : فیبغضه جبریل ، ثمّ ینادی فی أهل السّماء : انّ اللّٰه یبغض فلانا فأبغضوه ، قال : فیبغضونه ، ثمّ توضع له البغضاء فی الأرض)) ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں، میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر اس کے لیے زمین میں بھی محبت رکھ دی جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں، میں فلاں آدمی سے نفرت کرتا ہوں، تم بھی اس سے نفرت کرو، جبریل علیہ السلام بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان والوں میں

یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے نفرت کرتے ہیں، تم بھی اس سے نفرت کرو، چنانچہ وہ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، پھر اس کے لیے زمین میں بھی نفرت رکھ دی جاتی ہے۔''

(صحیح بخاری : ۳۲۰۹، صحیح مسلم : ۲٦۳۷، واللفظ لہٗ)

دلیل نمبر ⑯ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، مجھے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک انصاری صحابی نے بتایا کہ وہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، ایک ستارا (شہابِ ثاقب) ٹوٹا اور روشن ہوا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا، تم جاہلیت میں اس طرح ستارے کے ٹوٹنے پر کیا کہتے تھے، انہوں نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، ہم تو کہتے تھے، آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا یا فوت ہوا ہے، اس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ تارے کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے نہیں توڑے جاتے، بلکہ ہمارا ربّ تبارک وتعالیٰ جب کسی کا فیصلہ کرتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، پھر ان کے پاس والے فرشتے تسبیح کرتے ہیں، یہاں تک کہ آسمانِ دنیا تک یہ تسبیح پہنچ جاتی ہے، پھر عرش کو اٹھانے والے فرشتوں سے آس پاس والے پوچھتے ہیں، تمہارے ربّ نے کیا فرمایا ہے؟ وہ انہیں فرمانِ الٰہی کی خبر دیتے ہیں، پھر دوسرے آسمانوں والے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، یہاں تک کہ یہ خبر آسمانِ دنیا تک پہنچ جاتی ہے، چنانچہ جن کوئی بات چرا کر اپنے دوستوں تک پہنچاتے ہیں، اس وجہ سے ان کو ستارے مارے جاتے ہیں، جو بات وہ بعینہٖ لے آئیں، وہ سچ ہوتی ہے، لیکن وہ اس میں ملاوٹ کرتے ہیں اور اپنی طرف سے باتیں اس میں داخل کر دیتے ہیں۔'' (صحیح مسلم : ۲۲۲۹)

حافظ بیہقی رحمہ اللہ (م ۳۸۴-۴۵۸ھ) لکھتے ہیں: **والأخبار فی مثل هذا كثيرة ، وفيما كتبنا من الآيات دلالة على ابطال قوم من زعم من الجهميّة : أنّ الله سبحانه وتعالىٰ بذاته فی كلّ مكان ...** ''اس (اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلند ہونے کے) بارے میں احادیث بہت سی ہیں، نیز جو آیات ہم نے لکھی ہیں، ان میں بھی ان جہمی لوگوں کا ردّ ہے، جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ میں ہے۔'' (الاعتقاد للبیهقی : ص ۱۱۸)

جاری ہے-----

❀❀❀❀❀❀❀

مسلمانوں کا یہ اتفاقی و اجماعی عقیدہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١-٧٢٨ھ) لکھتے ہیں:

انّهم يؤمنون أنّ الخليفة بعد رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أبو بكر ، ثمّ عمر ، ثمّ عثمان ، ثمّ عليّ ، ومن طعن فى خلافة أحد من هؤلاء ، فهو أضلّ من حمار أهله ....

''یقیناً وہ (اہل سنت والجماعت) یہ ایمان رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ سیدنا ابو بکر ہیں، پھر سیدنا عمر، پھر سیدنا عثمان، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہم، جو شخص ان میں سے کسی ایک کی خلافت میں بھی طعن کرتا ہے، وہ گھریلو گدھے سے بھی زیادہ احمق ہے۔'' (العقيدة الواسطية لابن تيمية : ١٨٤)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (م ٢٣٣ھ) فرماتے ہیں: **خير هذه الأمّة بعد نبيّها أبو بكر ، ثمّ عمر ، ثمّ عثمان ، ثمّ عليّ ، هذا قولنا وهذا مذهبنا ...** ''اس امت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر شخص ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں، ہمارا یہی قول اور ہمارا یہی مذہب ہے۔''
(تاريخ يحيى بن معين : ١٦٢٠)

① سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **أجمع أصحاب النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم واستخلفوا أبا بكر رضى اللّٰه عنه .** ''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع و اتفاق کیا اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنالیا۔'' (المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٨٠/٣، وسندهٗ حسنٌ)

② امام شافعی رحمہ اللہ (١٥٠-٢٠٤ھ) فرماتے ہیں: **وما أجمع المسلمون عليه من أن يكون الخليفة واحدا ، فاستخلفوا أبا بكر .** ''مسلمانوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ خلیفہ ایک ہی ہونا چاہیے تو انہوں نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنالیا۔'' (الاعتقاد للبيهقى : ٥٢٢، وسندهٗ صحيحٌ)

③ امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ (م ٣٢٤ھ) لکھتے ہیں: **وممّا يدلّ على امامة الصّديق رضى اللّٰه عنه أنّ المسلمين جميعا بايعوه وانقادوا لامامته ...**

''سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت (خلافت) کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ تمام مسلمانوں

نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور آپ کی امامت کے لیے مطیع ہو گئے تھے۔'' (الابانۃ عن اصول الدیانۃ: ۲۵۱)

نیز فرماتے ہیں: **وقد أجمع هؤلاء الّذين أثنىٰ عليهم ومدحهم على امامة أبى بكر الصّدّيق رضى اللّٰه عنه وسمّوه خليفة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم وبايعوه وانقادوا له وأقرّوا له بالفضل ...** ''(بیعتِ رضوان والے صحابہ)، جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف و مدح کی ہے، یہ سب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت پر متفق ہو گئے تھے، ان سب نے آپ کا نام خلیفۂ رسول اللہ رکھا تھا، آپ کی بیعت کی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی تھی۔'' (الابانۃ: ۲۵۰۔۲۵۱)

④ الامام، الحافظ، الثقۃ، الرحّال، ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عثمان الواسطی ابن السقاء محدثِ واسط (م۳۷۳ھ) کہتے ہیں: **وأجمع المهاجرون والأنصار على خلافة أبى بكر .**

''مہاجرین وانصار نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع واتفاق کر لیا تھا۔''

(تاریخ بغداد: ۱۳۲/۱۰،۱۳۱، وسندہٗ صحیحٌ)

⑤ حافظ ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (۳۳۶۔۴۳۰ھ) لکھتے ہیں:

فيقال للاماميّة الطّاعنين على المهاجرين والأنصار اجتماعهم على تقدمة الصّدّيق رضى اللّٰه عنه : أكان اجتماعهم عليه على اكراه منه لهم بالسّيف ، أو تاليف منه لهم بمال ، أو غلبة بعشيرة ، فانّ الاجتماع لا يخلو من هذه الوجوه ، وكلّ ذلك مستحيل منهم ، لأنّهم المديحة والدّين النّصيحة ، ولو كان شىء من هذه الوجوه ، أو أريد واحد منهم على المبايعة كارها لكان ذلك منقولا عنهم ومنتشرا ، فأمّا اذا أجمعت الأمّة على أن لا اكراه والغلبة والتّأليف غير ممكن منهم وعليهم ، فقد ثبت أنّ اجتماعهم لما علموا الاستحقاق والتّفضيل والسابقة ، وقدّموه وبايعوه لما خصّه اللّٰه تعالىٰ به من المناقب والفضائل ...

''ان رافضیوں سے کہا جائے گا، جو مہاجرین وانصار کے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہو جانے پر معترض ہیں کہ کیا ان صحابہ کا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع ہو جانا تلوار کے ساتھ ان کو مجبور کرنے کی وجہ سے تھا یا مال کے ساتھ ان کی تالیفِ قلبی کی وجہ سے تھا یا کنبے قبیلے کے ساتھ غلبہ حاصل کرنے کے ساتھ تھا؟ کیونکہ اجتماع ان وجوہ سے خالی نہیں ہوتا، لیکن یہ سب چیزیں ان صحابہ سے محال ہیں، کیونکہ وہ قابلِ تعریف لوگ تھے اور دین خیر خواہی کا نام ہے، اگر ان وجوہ میں سے کوئی بھی وجہ ہوتی یا ان صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی مجبور کر کے بیعت لینے کا ارادہ کیا گیا ہوتا تو یہ بات منقول اور مشہور ہوتی، پس جب امت اس بات پر متفق

ہوگئی ہے کہ ان کی طرف سے یا ان پر کسی قسم کی کوئی مجبوری، کوئی زوراور کوئی تالیفِ قلبی نہیں تھی تو ثابت ہوگیا کہ ان کا جمع ہونا اس لیے تھا کہ وہ خلافت کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استحقاق، فضیلت اور مسابقت جانتے تھے، انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت ان فضائل ومناقب کی وجہ سے کی تھی، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خاص کیے ہوئے تھے۔'' (الامامة والرد على الرافضة لابی نعیم الاصبهانی : ٢١٤ـ٢١٥)

⑥ امام حاکم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ذكـر الـرّوايـات الصّحيحة عن الصّحابة رضى الله عنهم باجماعهم فى مخاطبتهم ايّاه بيا خليفة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم .**

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح روایات کا بیان کہ وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو 'اے خلیفۂ رسول اللہ!' کہہ کر مخاطب کرنے پر متفق تھے۔'' (المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٧٩/٣)

⑦ حافظ بیہقی رحمہ اللہ (٣٨٤ـ٤٥٨ھ) یوں باب قائم کرتے ہیں:

باب اجتماع المسلمين على بيعة أبى بكر الصّدّيق وانقيادهم لامامته .

''مسلمانوں کے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہوجانے اور ان کے آپ رضی اللہ عنہ کی امامت کے لیے مطیع ہوجانے کا بیان۔'' (الاعتقاد للبيهقى : ٤٨٦)

⑧ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١ـ٧٢٨ھ) لکھتے ہیں: **لأنّ الأمّة اذا ولّته طوعا منها بغير التزام ، وكان هو الّذى يرضاه الله ورسوله كان أفضل للأمّة ، ودلّ على علمها ودينها ، فانّها لو ألزمت بذلک لربّما قيل : انّها أكرهت على الحقّ ، وهى لا تختاره ، كما يجرى ذلک لبنى اسرائيل ، ويظنّ الظّانّ أنّه كان فى الأمّة بقايا الجاهليّة من التّقدّم بالأنساب..... فلمّا اتّفقوا على بيعته ، ولم يقل قطّ أحد : انّى أحقّ بهذا الأمر منه ، لا قرشىّ ولا أنصارىّ ، فانّ من نازع أوّلا من الأنصار لم تكن منازعته للصّدّيق ، بل طلبوا أن يكون منهم أمير ومن قريش أمير ، وهذه منازعة عامّة قريش ، فلمّا تبيّن لهم أنّ هذا الأمر فى قريش قطعوا المنازعة ..... ثمّ بايعوا أبا بكر من غير طلب منه ولا رغبة بذلت لهم ولا رهبة ، فبايعه الّذين بايعوا الرّسول تحت الشّجرة والّذين بايعوه ليلة العقبة والّذين بايعوه لمّا كانوا يهاجرون اليه والّذين بايعوه لمّا كانوا يسلمون من غير هجرة كالطّلقاء وغيرهم ، ولم يقل أحد قطّ : انّى أحقّ بهذا من أبى بكر ، ولا قاله أحد فى أحد بعينه : انّ فلانا أحقّ بهذا الأمر من أبى بكر ، وانّما قال من فيه أثر جاهليّة عربيّة أو فارسيّة : انّ بيت الرّسول أحقّ بالولاية ، لأنّ العرب فى جاهليّتها**

كانت تقدّم أهل الرؤساء ، وكذلک الفرس يقدّمون أهل بيت الملک ، فنقل من نقل منه كلام يشير به الى هذا ، كما نقل عن أبى سفيان ، وصاحب هذا الرأى لم يكن له غرض فى علىّ ، بل كان العبّاس عنده بحكم رأيه أولى من علىّ ، وان قدّر أنّه رجّح عليّا فلعلمه بأنّ الاسلام يقدّم الايمان والتّقوىٰ على النّسب ، فأراد أن يجمع بين حكم الجاهليّة والاسلام ، فأمّا الّذين كانوا لا يحكمون الّا بحكم الاسلام المحض ، وهو التّقدّم بالايمان والتّقوى ، فلم يختلف منهم اثنان فى أبى بكر ، ولا خالف أحد من هؤلاء ولا هؤلاء فى أنّه ليس فى القوم أعظم ايمانا وتقوى من أبى بكر ، فقدّموه مختارين له ، مطيعين ، فدلّ على كمال ايمانهم وتقواهم واتّباعهم لما بعث اللّٰه به نبيّهم من تقديم الأتقىٰ فالأتقىٰ ، وكان ما اختاره اللّٰه لنبيّهم صلّى اللّٰه عليه وسلّم ولهم أفضل لهم والحمد للّٰه على أن هدى هذه الأمّة وعلى أن جعلنا من أتباعهم ...

’’کیونکہ جب امتِ مسلمہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خوشی سے بغیر مجبور کیے جانے کے خلافت سونپی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ امت میں سے افضل ترین شخص تھے، تو اس سے امت کے علم اور دین کا بھی علم ہوتا ہے، کیونکہ اگر امت پر یہ کام لازم کیا جاتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ اسے اس حق پر نہ چاہتے ہوئے مجبور کیا گیا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کے ساتھ یہ معاملہ چلتا رہا ہے اور کوئی خیال کرنے والا یہ خیال کر سکتا تھا کہ امت میں جاہلیت باقی ہے، یعنی نسب کی وجہ سے مقدم ہونے کا قانون۔

جب وہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہو گئے اور ان میں سے کسی قریشی یا کسی انصاری نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ میں اس معاملے میں آپ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہوں تو جس شخص نے پہلے پہل منازعت کی، اس کی منازعت بھی صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہ تھی، بلکہ وہ اس بات کا مطالبہ کرتے تھے کہ ایک امیر ان میں سے ہو اور دوسرا قریش میں سے اور یہ منازعت تمام قریش کی تھی، جب اس کے لیے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ خلافت والا معاملہ قریش میں ہی ہے تو انہوں نے منازعت ختم کر دی ۔۔۔ پھر انہوں نے بغیر ترغیب و ترہیب کے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت ان لوگوں نے کی، جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعتِ رضوان کی تھی، ان لوگوں نے بھی، جنہوں نے عقبہ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی، ان لوگوں نے بھی، جنہوں نے ہجرت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی، ان لوگوں نے بھی مسلمان ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی اور ان لوگوں نے بھی، جنہوں نے بغیر ہجرت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بیعت کی تھی، جیسا کہ آزاد کردہ غلام وغیرہ، کسی نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ میں اس معاملے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہوں اور نہ یہ بات کسی نے کسی معین شخص کے بارے میں کہی کہ وہ اس معاملے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہے۔ ہاں یہ بات اس شخص نے کہی تھی، جس میں ابھی عربی یا فارسی جاہلیت موجود تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ ولایت کا زیادہ حق رکھتا ہے، کیونکہ عرب لوگ جاہلیت میں اپنے سرداروں کے گھر والوں کو مقدم کرتے تھے، اسی طرح فارسی لوگ اپنے بادشاہ کے گھر والوں کو مقدم کرتے تھے، چنانچہ جس سے ایسی بات منقول ہے، وہ اسی طرف ہی اشارہ کر رہا تھا، جیسا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس رائے کے حامل شخص کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی غرض نہ تھی، بلکہ اس کے نزدیک عباس رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مناسب تھے۔ اگر یہ فرض بھی کر لیں کہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پسند کیا تھا تو اس کے علم میں یہ بھی تھا کہ اسلام ایمان وتقویٰ کو نسب سے مقدم کرتا ہے، اس نے چاہا کہ جاہلیت اور اسلام کے حکم کو جمع کر لیا جائے، لیکن جو لوگ صرف اسلام کے حکم کے ساتھ فیصلے کرتے تھے، یعنی ایمان وتقوی کی بنیاد پر مقدم کرنا، ان میں سے کوئی دو بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختلف نہیں ہوئے، نہ ہی ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک نے بھی اس بات میں اختلاف کیا کہ ایمان وتقویٰ کے اعتبار سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑا کوئی نہیں، اس لیے انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو پسند کرتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہوئے آپ کو مقدم کیا، یہ بات ان کے ایمان، تقویٰ اور اس چیز میں ان کے اتباعِ قرآن وسنت پر دلالت کرتی ہے کہ تقویٰ کی بنیاد پر کسی کو مقدم کیا جائے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور ان کے لیے پسند کی تھی، وہ ان کے لیے بہتر وافضل تھی، اللہ کا شکر ہے اس بات پر کہ اس نے اس امت کو ہدایت دی اور ہمیں ان کے پیروکار بنایا۔۔۔'' (منهاج السنة لابن تيمية : ٣/٢٦٦، ٢٧٠)

⑨ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱۔۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: **ومن تأمّل ما ذكرناه ظهر له اجماع الصّحابة المهاجرين منهم والأنصار على تقديم أبى بكر وظهر برهان قوله عليه السّلام : ((يأبى الله والمؤمنون الّا أبا بكر)) ، وظهر له أنّ رسول الله لم ينصّ على الخلافة عينا لأحد من النّاس لا لأبى بكر ، كما قد زعمه طائفة من أهل السّنّة ، ولا لعلىّ ، كما يقوله طائفة من الرّافضة ، ولكن أشار اشارة قويّة يفهمها كلّ ذى لبّ وعقل الى الصّدّيق ...**

''جو شخص ہمارے ذکر کردہ دلائل پر غور وفکر کرے گا، اس کے لیے مہاجرین وانصار صحابہ کرام کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقدم کرنے پر اجماع ظاہر ہو جائے گا، نیز اس فرمانِ نبوی کی برہان واضح ہو جائے گی کہ 'اللہ اور مؤمن

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہر شخص کا انکار کرتے ہیں' (صحیح بخاری : ۷۲۱۷، صحیح مسلم : ۲۳۸۷)، اسی طرح اس کے لیے ظاہر ہوگا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں سے کسی کے لیے بھی صراحتاً خلافت ثابت نہیں کی تھی، نہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے، جیسا کہ بعض اہل سنت کا خیال ہے اور نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے، جیسا کہ بعض رافضیوں کا دعویٰ ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے واضح اشارے فرمائے ہیں، جن کو ہر عقل وشعور والا شخص صرف سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سمجھتا ہے۔'' (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر : ۲۵۰/۵)

⑩ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: **فهـذا ما تيسّر من سيرة العشرة ، وهـم أفضل قريش وأفضل السابقين المهاجرين ، وأفضل البدريّين ، وأفضل أصحاب الشّجرة ، وسـادة هـذه الأمّة في الدّنيا والآخرة ، فأبـعـد اللّـه الـرّافضة ، ما أغواهم وأشدّ هواهم ، كيف اعترفوا بفضل واحد منهم وبخسوا التّسعة حقّهم ، وافتروا عليهم بأنّهم كتموا النّصّ في عليّ أنّه الخليفة ؟ فـواللّـه ما جرى من شيء ، وأنّهم زوّروا الأمر عنه بزعمهم ، وخالفوا نبيّهم ، وبادروا الى بيعة رجل من بني تيم ، يتّجر ويتكسّب ، لا لرغبة في أمواله ، ولا لرهبة من عشيرته ورجاله ، ويـحـك أيـفعل هذا من له مسكة عقل ؟ ولو جاز هذا على واحد لما جاز على جماعة ، ولو جاز وقـوعـه مـن جـمـاعـة ، لاسـتـحال وقوعه والحالة هذه من ألوف من سادة المهاجرين والأنصار ، وفـرسـان الأمّة ، وأبـطـال الاسـلام ، لـكن لا حيلة في برء الرّفض ، فانّه داء مزمن ، والهدى نور يقذفه اللّه في قلب من يشاء ، فلا قوّة الّا باللّه ...**

''یہ عشرۂ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت پر میسر مواد ہے، وہ قریش، مہاجرین، بدروالوں اور بیعتِ رضوان والوں سب صحابہ سے افضل اور دنیا وآخرت میں اس امت کے سردار ہیں، اللہ تعالیٰ رافضیوں کو تباہ کرے! وہ کتنے گمراہ اور کتنے خواہش پرست ہیں! کیسے انہوں نے ان میں سے ایک کی فضیلت کا اعتراف کیا اور باقی نو کے حق میں خیانت کی اور ان پر یہ جھوٹ باندھا کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں نص کو چھپا لیا تھا! اللہ کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کہ انہوں نے اپنے خیال سے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جھوٹ گھڑ لیا ہو، اپنے نبی کی مخالفت کی ہو اور بنو تیم میں سے ایک ایسے آدمی کی بیعت کی طرف جلدی کی ہو، جو تجارت وکاروبار کرتا تھا، یہ کام نہ اس کے مال کی طرف رغبت کرتے ہوئے کیا اور نہ اس کے کنبہ وقبیلہ سے ڈرتے ہوئے کیا، افسوس! کیا کوئی ذرا سی بھی عقل رکھنے والا شخص ایسا کرسکتا ہے؟ اگر یہ کام ایک شخص سے

ممکن ہوتو جماعت سے ممکن نہیں، اگر جماعت سے بھی ممکن ہوتو اس حالت میں ایسا ہونا مہاجرین وانصار کے ہزاروں سرداروں، امت کے سربراہوں اوراسلام کے بہادروں سے محال ہے، لیکن رفض سے رہائی پانے کی کوئی راہ نہیں، کیونکہ یہ مہلک مرض ہے اور ہدایت ایسا نور ہے، جواللہ تعالیٰ جس کے دل میں چاہے ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہدایت دینے کی قوت ہے۔۔۔'' (سیر اعلام النبلاء للذهبی : ۱/۱۴۰۔۱۴۱)

اسی طرح کی فیصلہ کن بات حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہے کہ:

وأمّا ما يفتريه كثير من جهلة الشّيعة والقصّاص الأغبياء من أنّه أوصىٰ الى عليّ بالخلافة ، فكذب وبهت وافتراء عظيم يلزم منه خطأ كبير من تخوين الصّحابة وممالاتهم بعده على ترك انفاذ وصيّته وايصالها الى من أوصىٰ اليه ، وصرفهم ايّاها الى غيره ، لا لمعنى ولا لسبب ، وكلّ مؤمن باللّٰه ورسوله يتحقّق أنّ دين الاسلام هو الحقّ يعلم بطلان هذا الافتراء ، لأنّ الصّحابة كانوا خير الخلق بعد الأنبياء ، وهم خير قرون هذه الأمّة الّتي هي أشرف الأمم بنصّ القرآن الكريم واجماع السّلف والخلف ، في الدّنيا والآخرة ، وللّٰه الحمد ...

''اور جو بات اکثر جاہل شیعہ اور بد دماغ واعظین بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں وصیت کی تھی، وہ جھوٹ، بہتان اور بہت بڑا افترا ہے، جس سے ایک بہت بڑی غلطی لازم آتی ہے، وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (معاذ اللہ) خائن تھے، آپ ﷺ کے بعد انہوں نے آپ کی وصیت کو نافذ کرنے اور اسے وصیت کیے جانے والے شخص تک پہنچانے میں ٹال مٹول سے کام لیا اور اس وصیت کو اس شخص کے غیر کی طرف پھیر دیا، بغیر کسی سبب اور وجہ کے۔ اللہ ورسول پر ایمان رکھنے والا اور دینِ اسلام کو ہی حق سمجھنے والا ہر شخص اس جھوٹ کا گھڑا جانا پہچان جاتا ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب مخلوق میں سے بہترین لوگ ہیں اور وہی اس امت میں سے سب سے بہتر گروہ ہیں، جو امت قرآنِ کریم اور اجماعِ سلف وخلف کی رُو سے دنیا وآخرت میں سب سے بہترین امت ہے۔۔۔''

(البداية والنهاية لابن كثير : ٢٢٥/٧)

خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اجماعِ صحابہ

دلیل نمبر ① : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو انصار صحابہ نے کہا: **منّا أمير ومنكم أمير ، فأتاهم عمر ، فقال : ألستم**

تعلمون أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم قد أمر أبا بكر أن يصلّي بالنّاس ، فأيّكم تطيب نفسه أن يتقدّم أبا بكر ، قالوا : نعوذ باللّٰه أن نتقدّم أبا بكر !

''ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کا حکم دیا تھا؟ تم میں سے کون ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم ہونا چاہتا ہے؟ انہوں نے کہا، ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھیں۔''

(مسند الامام احمد : ۲۱/۱، ۳۹٦، سنن النسائی : ۷۷۸، مصنف ابن ابی شیبة : ۳۳۰/۲، ۳۳۱، ٥٦۷/۱٤، طبقات ابن سعد : ۲۲٤/۲، ۱۷۸/۳ـ۱۷۹، السنة لابن ابی عاصم : ۱۱۹۳، المعرفة والتاریخ لیعقوب بن سفیان الفسوی : ٤٥٤/۱، المستدرك للحاکم : ٦۷/۲، السنن الکبریٰ للبیهقی : ۱٥۲/۸، التمهید لابن عبد البر : ۱۲۸/۲۲ـ۱۲۹، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کی سند کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔
نیز حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔(فتح الباری : ۱٥۳/۱۲)

دلیل نمبر ② : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سمعت عمر يقول لأبي بكر يومئذ : اصعد على المنبر ، فلم يزل به حتّى صعد المنبر ، فبايعه النّاس عامّة . ''میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے سنا کہ منبر پر چڑھیں، وہ مسلسل یہ بات کہتے رہے حتی کہ آپ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ گئے، پھر تمام لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔''(صحیح بخاری : ۱۰۷۲/۲، ح : ۷۲۱۹)

دلیل نمبر ③ : سالم بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرضِ موت

میں غشی طاری ہوگئی، افاقہ ہونے پر فرمایا، کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ صحابہ نے جواب میں عرض کیا، جی ہاں! تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ اذان کہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔۔

واجتمع المهاجرون يتشاورون ، فقالوا : انطلقوا بنا الى اخواننا من الأنصار ندخلهم معنا في هذا الأمر ، فقالت الأنصار : منّا أمير ومنكم أمير ، فقال عمر : من له مثل هذا : ﴿ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾(التوبة : ٤٠) **، من هما ؟ ثمّ بسط يده ، فبايعه وبايعه النّاس بيعة حسنة جميلة ...** ''اور مہاجرین مشورہ کرنے کے لیے جمع ہوئے، انہوں نے کہا، ہمیں ہمارے انصار بھائیوں کے پاس لے چلو، ہم ان کو بھی اس معاملہ میں شریک کریں گے، انصار نے کہا،

ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے، اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس جیسی منقبت کس کے لیے ہے؟ ﴿اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبة : ٤٠)، (جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے)، وہ دونوں کون ہیں؟ پھر آپ نے ہاتھ بڑھایا اور بیعت کی اور سب لوگوں نے اچھی اور خوبصورت بیعت کی۔'' (السنن الکبریٰ للنسائی : ٨١٠٩، ١١٢١٩، الشمائل للترمذی : ٣٩٧، سنن ابن ماجه : ١٢٣٤، مسند عبد بن حمید : ٣٦٥، المعجم الکبیر للطبرانی : ٦٣٦٧، وسندهٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (١٥٤١، ١٦٢٤) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رجاله ثقات . ''اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' (مجمع الزوائد : ١٨٣/٥)

بوصیری کہتے ہیں: **هذا اسناد صحیح ، رجاله ثقات .** ''یہ سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' (مصباح الزجاجة : ١٤٦/١)

اعتراض نمبر ①:

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ (صحیح بخاری : ١٠١٠/٢، ح : ٦٨٣٠)

جواب: اس کی سند زہری کی تدلیس کی وجہ سے مخدوش ہے۔ یاد رہے کہ یہ روایت صحیح بخاری کے موضوع سے خارج ہے، کیونکہ صحیح بخاری کی مرفوع متصل احادیث کی صحت پر اجماع ہوا ہے، جبکہ یہ روایت موقوف ہے۔ جہاں زہری رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کی ہے، وہاں یہ واقعہ موجود نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ②:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ (صحیح بخاری : ٦٠٩/٢، ح : ٤٢٤٠، ٤٢٤١، صحیح مسلم : ٩١/٢، ٩٢، ح : ١٧٥٩)

مسند ابی بکر المروزی (٣٩) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (٣٠٠/٦) میں ہے:

فقال رجل للزّهریّ : فلم یبایعه علیّ رضی اللّٰه عنه ستّة أشهر ، قال : ولا أحد من بنی هاشم ، حتّی بایعه علیّ . ''ایک آدمی نے زہری رحمہ اللہ سے کہا، علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تو انہوں نے فرمایا، نہ ہی بنو ہاشم میں سے کسی نے بیعت کی، حتی کہ علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی۔''

جواب: حافظ بیہقی رحمہ اللہ اس کے رد و جواب میں لکھتے ہیں:

والّذی روی أنّ علیّا لم یبایع أبا بکر ستّة أشهر ، لیس من قول عائشة ، انّما هو من قول الزّهریّ ، فأدرجه بعض الرّواة فی الحدیث عن عائشة فی قصّة فاطمة رضی اللّٰه عنهم ، وحفظه معمر بن راشد ، فرواه مفصّلا ، وجعله من قول الزّهریّ منقطعا من الحدیث ، وقد روینا فی الحدیث الموصول عن أبی سعید الخدریّ ومن تابعه من أهل المغازی أنّ علیّا بایعه فی بیعة العامّة بعد الّتی جرت فی السّقیفة ، ویحتمل أنّ علیّا بایعه بیعة العامّة . . .

''یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت چھ ماہ بعد کی ہے، یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نہیں، بلکہ یہ تو زہری رحمہ اللہ کا قول ہے، کسی راوی نے اسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قصے والی حدیث میں داخل کر دیا ہے، معمر بن راشد نے اسے یاد رکھا ہے اور مفصل طور پر بیان کر کے اسے زہری رحمہ اللہ کا قول ہی قرار دیا ہے، جو کہ حدیث سے جدا ہے، اور ہم نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک موصول حدیث بیان کی ہے، ان کے بعد والے اہل مغازی بھی یہی کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سقیفہ میں ہونے والی عام بیعت میں ہی بیعت کر لی تھی، یہ بھی ممکن ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد عام بیعت کی ہو۔''

(الاعتقاد : ص ۱۸۰، ونسخة اخرٰی : ص ٤٩٤)

یعنی یہ امام زہری کا ''منقطع'' قول ہے، جو ''صحیح'' حدیث کے خلاف بھی ہے، لہٰذا نا قابل حجت ہے۔

دلیل نمبر : ④ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: لـمّا توفّی رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قام خطباء الأنصار ، فجعل الرّجل منهم یقول : یا معشر المهاجرین ! انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان اذا استعمل رجلا منکم قرن معه رجلا منّا ، فنرٰی أن یلی هذا الأمر رجلان ، أحدهما منکم والآخر منّا ، قال : فتتابعت خطباء الأنصار علی ذلک ، فقام زید بن ثابت رضی اللّٰه عنه ، فقال : انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان من المهاجرین ، وانّ الامام انّما یکون من المهاجرین ، ونحن أنصاره کما کنّا أنصار رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، فقام أبو بکر رضی اللّٰه عنه ، فقال: جزاکم اللّٰه خیرا من حیّ یا معشر الأنصار ، وثبت قائلکم ، ثمّ قال : واللّٰه لو فعلتم غیر ذلک لما صالحناکم ، ثمّ أخذ زید بن ثابت بید أبی بکر ، فقال : هذا صاحبکم ، فبایعوه ، ثمّ انطلقوا ، فلمّا قعد أبو بکر رضی اللّٰه عنه علی المنبر نظر فی وجوه القوم ، فلم یر علیّا رضی اللّٰه عنه ، فسأل عنه ، فقام ناس من الأنصار ، فأتو به ، فقال أبو بکر رضی اللّٰه عنه : ابن عمّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم وختنه ! أردتّ أن

تشقّ عصا المسلمين ، فقال : لا تثريب يا خليفة رسول الله ! فبايعه ، ثمّ لم ير الزّبير بن العوّام رضي الله عنه ، فسأل عنه ، حتّى جاء وا به ، فقال : ابن عمّة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وحواريّه ! أردتّ أن تشقّ عصا المسلمين ، فقال مثل قوله : لا تثريب يا خليفة رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ! فبايعاه .

جب رسولِ کریم ﷺ فوت ہوئے تو انصار کے خطباء کھڑے ہوگئے ، ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا ، اے مہاجرین کی جماعت ! رسول اللہ ﷺ جب کسی تمہارے آدمی کو عامل مقرر کرتے تو ہم میں سے ایک آدمی کو بھی ساتھ ملاتے ، لہٰذا ہمارا خیال ہے کہ اس (خلافت والے) معاملے کے بھی دو آدمی والی بنیں ، ایک تم میں سے اور دوسرا ہم میں سے ، انصار کے خطباء لگا تار یہ بات کہنے لگے تو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا ، رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے اور امام بھی مہاجرین میں سے ہی ہونا چاہیے ، ہم اس کے معاون ہوں گے ، جس طرح کے ہم رسول اللہ ﷺ کے معاون تھے ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا ، اللہ تمہیں اچھا بدلہ دے ! اے انصار کی جماعت ! اللہ تمہارے قائل کو ثابت رکھے ، پھر فرمایا ، اگر تم اس کے علاوہ کوئی کام کرتے تو ہم تمہارے ساتھ صلح نہ کرتے ، پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا ، یہ ہے تمہارا خلیفہ ، اس کی بیعت کرو ، پھر وہ چلے ، جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے اور لوگوں کے چہروں میں نظر دوڑائی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا ، ان کے بارے میں پوچھا ، کچھ انصاری کھڑے ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو لے آئے ، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، اے اللہ کے رسول ﷺ کے چچا کے بیٹے اور آپ کے داماد ! کیا آپ مسلمانوں کی وحدت کو توڑنا چاہتے ہیں ؟ انہوں نے کہا ، اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ ! کوئی ملامت نہیں ، پھر انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں سوال کیا ، یہاں تک کہ لوگ ان کو لے آئے ، آپ نے فرمایا ، اے اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے اور آپ ﷺ کے حواری ! کیا آپ مسلمانوں کی وحدت کو توڑنا چاہتے ہیں ؟ تو انہوں نے بھی اسی طرح (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرح ہی) کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ ! کوئی ملامت نہیں ، پھر انہوں نے بیعت کرلی ۔'' (مسند الامام احمد : ۱۸۵/۵۔۱۸۶، مسند الطیالسی : ۶۰۳، المعجم الکبر للطبرانی : ۴۷۸۵، المستدرك للحاکم : ۷۶/۳، السنن الکبری للبیھقی : ۱۴۳/۸، واللفظ له ، وسندہٗ صحیحٌ)

امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں : **جاء نی مسلم بن الحجّاج ، فسألني عن هذا**

الحدیث ، فکتبته له فی رقعة ، وقرأت علیه ، فقال : ھذا حدیث یسوی بدنة ، فقلت : یسوی بدنة ، بل ھو یسوی بدرة . ''میرے پاس امام مسلم بن حجاج آئے اور اس حدیث کے بارے میں سوال کیا، میں نے ان کو یہ حدیث ایک رقعہ میں لکھ دی اور ان پر پڑھی تو انہوں نے کہا، یہ حدیث اونٹ کے برابر ہے، میں نے کہا اونٹ کے برابر، بلکہ یہ تو اشرفیوں کی تھیلی کے برابر ہے۔''

(السنن الکبریٰ للبیہقی : ۱۴۳/۸، وسندہٗ صحیحٌ)

حافظ حاکم رحمہ اللہ نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔(سیر اعلام النبلاء : ۴۳۳/۲)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رواہ الطّبرانیّ وأحمد ورجاله رجال الصّحیح .
''اس حدیث کو امام طبرانی اور امام احمد نے بیان کیا ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔''
(مجمع الزوائد : ۱۸۳/۵)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وھذا اسناد صحیح محفوظ من حدیث أبی نضرة المنذر بن مالک بن قطعة عن أبی سعید سعد بن مالک بن سنان الخدریّ ، وفیه فائدة جلیلة ، وھی مبایعة علیّ بن أبی طالب : امّا فی أوّل یوم أو فی الیوم الثّانی من الوفاة ، وھذا حقّ ، فانّ علیّ بن أبی طالب لم یفارق الصّدّیق فی وقت من الأوقات ، ولم ینقطع فی صلاة من الصّلوات خلفه .... ''ابونضرہ منذر بن مالک بن قطعہ کی ابوسعید سعد بن مالک بن سنان الخدری سے روایت کی یہ سند صحیح اور محفوظ ہے، اس میں ایک عظیم فائدہ بھی ہے اور وہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پہلے یا دوسرے دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا، یہ حق ہے، کیونکہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی بھی وقت نہیں چھوڑا اور آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازوں میں سے ایک نماز بھی نہیں چھوڑی۔''(البدایة والنہایة لابن کثیر : ۲۱۰/۵۔۲۱۱)

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: لمّا بویع أبو بکر فی السّقیفة ، وکان الغد جلس أبو بکر علی المنبر ، فقام عمر ، فتکلّم قبل أبی بکر ، فحمد اللّٰہ وأثنیٰ علیه ، ثمّ قال : انّ اللّٰہ قد جمع أمرکم علی خیرکم صاحب رسول اللّٰہ وثانی اثنین اذھما فی الغار ، فقوموا ، فبایعوہ ، فبایع النّاس أبا بکر بیعة العامّة بعد بیعة السّقیفة ...

''جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سقیفہ میں بیعت کی گئی، اگلے دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تھے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے بات کی، آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا، یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملہ کو تم میں سے سب سے بہتر شخص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھی پر جمع کر دیا ہے، جو کہ غار میں دوسرا تھا، لہٰذا تم کھڑے ہو کر ان کی بیعت کرو، لوگوں نے بیعتِ سقیفہ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عام بیعت کی۔۔۔'' (السيرة لابن هشام : ٨٢/٦، وسندهٔ حسنٌ)

دلیل نمبر ⑥ : قال سعد بن ابراهيم : حدّثني أبي أنّ أباه عبد الرّحمن بن عوف كان مع عمر ، وأنّ محمد بن مسلمة كسر سيف الزّبير ، ثمّ خطب أبو بكر واعتذر الى النّاس ، وقال : ما كنت حريصا على الامارة يوما ولا ليلة ، ولا سألتها في سرّ ولا علانية ، فقبل المهاجرون مقالته وقال عليّ والزّبير : ما غضبنا الّا لأنّا أخّرنا عن المشورة ، وانّا نرىٰ أبا بكر أحقّ النّاس بها ، انّه صاحب الغار ، وانّا لنعرف شرفه وخبره ، ولقد أمره رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أن يصلّي النّاس وهو حيّ ..... ''سعد بن ابراہیم نے کہا، مجھے میرے والد نے بتایا کہ ان کے والد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی تلوار توڑ دی، پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور لوگوں سے معذرت کی، فرمایا، میں امارت کے لیے ایک دن یا ایک رات بھی حریص نہیں ہوں، نہ ہی میں نے خفیہ یا علانیہ اس کا مطالبہ کیا ہے، مہاجرین نے آپ رضی اللہ عنہ کی بات کو قبول کر لیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، ہمیں غصہ صرف اس بات نے دلایا تھا کہ ہمیں مشورہ سے پیچھے رکھا گیا تھا، بلاشبہ ہماری یہی رائے ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے ہم سے زیادہ مستحق ہیں، ہم آپ کے شرف و عزت کو جانتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی آپ رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دے دیا تھا۔'' (المغازي لموسى بن عقبة بحواله البداية والنهاية لابن كثير : ٢١١/٥، وسندهٔ صحيحٌ)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔ (البداية والنهاية : ٢١١/٥)

دلیل نمبر ⑦ : قال الامام ابن أبي شيبة : حدّثنا محمّد بن بشر ، نا عبيد اللّٰه بن عمر ، حدّثنا زيد بن أسلم عن أبيه أسلم أنّه حين بويع لأبي بكر بعد رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، كان عليّ والزّبير يدخلان على فاطمة بنت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فيشاورونها ويرتجعون في أمرهم ، فلمّا بلغ ذلک عمر بن الخطّاب ، خرج حتّى دخل على

فاطمة ، فقال : يا بنت رسول الله ! والله ما من الخلق أحد أحب الينا من أبيك ، وما من أحد أحبّ الينا بعد أبيك منك ، وأيم الله ! ما ذاک بمانعی ان اجتمع هؤلاء النّفر عندک ان أمرتهم أن يحرّق عليهم البيت ، قال : فلمّا خرج عمر جاء وها ، فقالت : تعلمون أنّ عمر قد جاء نی ، وقد حلف بالله لئن عدتّم ليحرقنّ عليكم البيت ، وأيم الله ! ليمضينّ ما حلف عليه ، فانصرفوا راشدين ، فروا رأيكم ولا ترجعوا اليّ ، فانصرفوا عنها ، فلم يرجعوا اليها حتّى بايعوا لأبی بکر . ''زید بن اسلم اپنے والد اسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تو سیدنا علی اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہما سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس مشورہ کے لیے آتے تھے اور پھر اپنے کام میں واپس چلے جاتے تھے، جب یہ بات سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ آئے، یہاں تک کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر داخل ہوئے اور کہا، اے اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی! اللہ کی قسم! مخلوق میں سے آپ کے والد سے بڑھ کر ہمیں کوئی شخص زیادہ محبوب نہیں اور آپ کے والد کے بعد ہمیں آپ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں، اللہ کی قسم! اگر اب یہ لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے تو مجھے یہ بات اس سے نہیں روکے گی کہ میں ان پر اس گھر کو آگ لگا دوں، جب عمر رضی اللہ عنہ نکل گئے تو وہ لوگ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، انہوں نے کہا، تم جانتے ہو کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے اللہ کی قسم اٹھائی ہے کہ اگر تم دوبارہ آئے تو وہ تم پر گھر کو آگ لگا دیں گے؟ اللہ کی قسم! جو انہوں نے قسم اٹھائی ہے، اسے کر گزریں گے، لہٰذا بھلے طریقے سے واپس چلے جاؤ، اپنی رائے سوچو، دوبارہ میرے پاس نہ آؤ، وہ لوٹ گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے واپس لوٹے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ١٤/٥٦٦-٥٦٧، وسندهٔ صحيحٌ)

یہ روایت نص ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر بن عوام نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی تھی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام اجتہادی اور جذباتی تھا، دراصل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ خیال کرتے تھے کہ ان لوگوں کا اکٹھ کسی پریشانی کا پیش خیمہ ثابت نہ ہو، جس پر سیدہ فاطمہ نے کوئی ردِّ عمل ظاہر نہیں کیا۔

اس سے کوئی ہرگز یہ بات کشید نہ کرلے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اہل بیت سے بغض تھا، وہ ان کا گھر تک جلانے کے درپے تھے، کیونکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، وہ تو فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اہل بیت ہمیں محبوب ہیں۔ ہم نے قوی اور ٹھوس ثبوت پیش کر دیئے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تھی، ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کے خلاف کچھ ثابت نہیں۔

سوال نمبر ① : بلوغت کی کیا نشانی ہے؟

جواب : لڑکے یا لڑکی کو احتلام ہو جائے یا عمر پندرہ سال ہو جائے یا زیرِ ناف بال اُگ آئیں تو وہ بالغ متصور ہوں گے، ہاں! لڑکی کو حیض آنا بھی بلوغت کی علامت ہے۔

① **احتلام** : فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا﴾(نور : ٥٩) ''اور جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو وہ اجازت لیا کریں۔''

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

غسل یوم الجمعة واجب علی کلّ محتلم . ''جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ آدمی پر واجب (ثابت) ہے۔''(صحیح بخاری : ٢٦٦٥، صحیح مسلم : ٧٤٦)

② **عمر** : سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اُحد کے دن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا، اس وقت میری عمر چودہ سال تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (غزوہ میں شرکت کی) اجازت نہیں دی، پھر مجھے غزوۂ خندق کے موقع پر پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی۔''(صحیح بخاری : ٤٠٩٧، صحیح مسلم : ١٨٦٨)

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **والعمل علی ھذا عند أھل العلم ، وبه یقول سفیان الثّوریّ وابن المبارک والشّافعیّ وأحمد واسحاق ، یرون أنّ الغلام اذا استکمل خمس عشرة سنة ، فحکمه حکم الرّجال ، وان احتلم قبل خمس عشرة ، فحکمه حکم الرّجال ، وقال أحمد واسحاق : البلوغ ثلاثة منازل ، بلوغ خمس عشرة ، أو الاحتلام ، فان لم یعرف سنّه ولا احتلامه فالانبات ، یعنی العانة .**

''اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے (یعنی مرد اور عورت کی عمر بلوغ زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے)، امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ

جب بچہ عمر کی پندرہ بہاریں دیکھ لے تو اس کا حکم مردوں والا ہو جاتا ہے، اگر اس کو پندرہ برس سے پہلے احتلام ہو جائے تو پھر بھی وہ مردوں کی صف میں شمار ہوتا ہے، امام احمد اور امام اسحاق کہتے ہیں کہ بلوغت تین طریقوں سے ثابت ہوتی ہے۔① پندرہ سال کی عمر ② احتلام ہونا ③ اگر اس کی عمر اور احتلام کے بارے میں علم نہ ہو تو زیرِ ناف بالوں کا اُگنا بلوغت کی علامت ہے۔'' (سنن الترمذی، تحت حدیث: ۱۳۶۱)

راویٔ حدیث نافع کہتے ہیں: ''میں نے اس حدیث کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ہاں بیان کیا، اس وقت آپ خلیفہ تھے، آپ نے فرمایا، یہ حدیث بالغ اور نابالغ کے درمیان حدِ فاصل ہے، پھر انہوں نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ جو بچہ پندرہ برس کی عمر کو پہنچ جائے، اس پر فرائض کی ادائیگی ضروری ہے۔''

(صحیح بخاری: ۲٦٦٤، صحیح مسلم: ۱۸٦۸)

امام ابن المنذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وكان النعمان يقول : حدّ بلوغ الغلام ثماني عشرة سنة ، والجارية سبع عشرة سنة ، وهذا خلاف ما ذكرناه من السّنن الثّابتة وقول من ذكرنا عند ذلك من أهل العلم ، ولا نعلم أحدا سبقه الى هذا القول ، وليس له فيما قال حجّة .**

''نعمان (بن ثابت ابوحنیفہ) کہتے تھے کہ لڑکے کی بلوغت کی عمر اٹھارہ سال ہے اور لڑکی کی سترہ سال، یہ بات ہماری ذکر کردہ صحیح وثابت احادیث اور اہل علم کے قول کے خلاف ہے، ہم نہیں جانتے کہ ان (ابوحنیفہ) سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہو، اس پر سہاگہ یہ کہ ان کے پاس اس بات پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔'' (الاوسط لابن المنذر: ۳۸۹/٤)

اس حدیثِ پاک سے ثابت ہوا کہ عمرِ بلوغ پندرہ سال ہے، اس پر اجماع واتفاق ہے، حدیث اور اجماعِ امت کے خلاف فتویٰ دینے والے دین کے خیرخواہ نہیں ہو سکتے۔

③ **زیر ناف بال :** سیدنا عطیہ القرظی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں (غزوۂ بنوقریظہ کے موقع پر) نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، (ہم میں سے) جس کے زیرِ ناف بال اُگے تھے، وہ قتل کر دیا گیا اور جس کے زیرِ ناف بال نہیں اُگے تھے، اس کو چھوڑ دیا گیا، میں ان لوگوں میں سے تھا، جن کے زیرِ ناف بال نہیں اُگے تھے تو نبیٔ اکرم ﷺ نے مجھے چھوڑ دیا۔'' (سنن ابی داوٗد: ٤٤٠٤، سنن النسائی: ۳٤٥۹، سنن الترمذی: ۱۵۸٤، سنن ابن ماجہ: ۲۵٤۱، مسند الامام احمد: ۳۱۰/٤، مسند الطیالسی: ۱۲۸٤، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح''، امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (٤۷٦۰)، امام ابن

الجارود رحمہ اللہ (۱۰٤۵) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (۱۲۳/۲) نے شیخین کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں: **والعمل على هذا عند بعض أهل العلم أنّهم يرون الانبات بلوغا ، ان لم يعرف احتلامه ولا سنّه ، وهو قول أحمد واسحاق .**

''بعض اہل علم اس حدیث کے عامل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ زیرِ ناف بالوں کا اُگنا بلوغت کی نشانی ہے، اگرچہ احتلام اور عمر کا پتا نہ بھی چل سکے، یہ امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کا قول ہے۔''

ثابت ہوا کہ بلوغت کی دوسری نشانیاں ظاہر نہ بھی ہوں اور صرف زیرِ ناف بالوں کا اُگنا ہی بلوغت کی علامت ہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ پر حد نہیں ہے۔

④ **حیض :** حیض عورت کے لیے بلوغت کی نشانی ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾(الطلاق : ٤) ''اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے وہ عورتیں جو حیض سے ناامید ہو جائیں، اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور جن عورتوں کو ابھی حیض نہ آیا ہو (ان کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے)، اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جَن لیں۔''

اس بات پر مسلمانوں کا اجماع و اتفاق بھی ہے، جیسا کہ امام ابن المنذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فالاحتلام والانبات واستكمال خمس عشرة سنة حدّ للبلوغ الّذى يجب على الرّجال والنّساء بوجود أى واحدة من هذه الخصال كان موجودة الفرائض والحدود ، وفى المرأة خصلة رابعة تجب بوجودها فيها عليها الفرائض ، وهى الحيض ، وقد أجمع أهل العلم على أنّ وجود الحيض فى المرأة تجب الفرائض .

''مردوں اور عورتوں کے لیے احتلام کا ہونا، زیرِ ناف بالوں کا اُگنا اور پندرہ سال عمر مکمل ہونا علامتِ بلوغ ہے، ان میں سے جو بھی علامت پائی جائے، فرائض وحدود کو واجب کر دے گی، عورت میں ایک چوتھی علامتِ بلوغ بھی ہے، جو کہ حیض ہے، اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کو حیض آ جائے تو اس پر فرائض کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔'' (الاوسط لابن المنذر : ٣٨٨/٤)

والله أعلم !

سوال نمبر ② : **نمازِ جنازہ میں سلام ایک طرف پھیرنا چاہیے یا دو طرف؟**

جواب : نبیٔ اکرم ﷺ سے نمازِ جنازہ میں صرف ایک طرف سلام پھیرنا ثابت ہے۔

دلیل نمبر ① : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انّ رسول اللّٰه صلّى الله عليه وسلّم صلّى على جنازة ، فكبّر عليها أربعا ، فسلّم تسليمة واحدة . ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر نمازِ جنازہ پڑھائی، اس پر چار تکبیریں کہیں اور پھر ایک ہی سلام پھیرا۔''

(سنن الدارقطنی : ۱۷۱/۲، ح : ۱۷۹۹، المستدرك للحاكم : ۳۶۰/۱، السنن الكبرى للبيقى : ۴۳/۴، وسندهٔ حسنٌ)

دلیل نمبر ② : نافع سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

أنّه كان اذا صلّى على الجنازة رفع يديه ، فكبّر ، فاذا فرغ سلّم على يمينه واحدة .

''آپ رضی اللہ عنہما جب نمازِ جنازہ پڑھتے تو رفع الیدین کرتے، پھر تکبیر کہتے، پھر جب فارغ ہوتے تو اپنے دائیں جانب ایک سلام پھیرتے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۳۰۷/۳، وسندهٔ صحیحٌ)

دلیل نمبر ③ : عمرو بن مہاجر الدمشقی کہتے ہیں: **صلّيت مع واثلة بن الأسقع على ستّين جنازة ، من الطّاعون ، رجال ونساء ، فكبّر أربع تكبيرات ، وسلّم تسليمة .**

''میں نے سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے ساتھ طاعون سے مرنے والے مردوں عورتوں کے ساٹھ جنازے پڑھے، آپ چار تکبیریں کہتے اور ایک سلام پھیرتے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۳۰۷/۳، وسندهٔ صحیحٌ)

دلیل نمبر ④ : سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبة : ۳۰۷/۳، وسندهٔ صحیحٌ)

دلیل نمبر ⑤ : امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبة : ۳۰۷/۳، وسندهٔ صحیحٌ)

دلیل نمبر ⑥ : امام حسن بصری رحمہ اللہ ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبة : ۳۰۷/۳، وسندهٔ صحیحٌ)

دلیل نمبر ⑦ : امام مکحول تابعی رحمہ اللہ ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ۳۰۷/۳، وسندہٗ صحیحٌ)

دلیل نمبر ⑧ : امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من سلّم علی الجنازۃ بتسلیمتین ، فھو جاھل ، جاھل . ''جس نے نمازِ جنازہ پر دو سلام پھیرے، وہ جاہل ہے، جاہل ہے۔'' (مسائل احمد لابی داوٗد : ۱۵٤، وسندہٗ صحیحٌ)

دلیل نمبر ⑨ : ابوالفضل صالح بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۶۵ھ) اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں بتاتے ہیں: **وکان یکبّر علی الجنازۃ أربعا ، ویرفع یدیہ مع کلّ تکبیرۃ ، ویقرأ فاتحۃ الکتاب فی أوّل تکبیرۃ ، ثمّ یسلّم تسلیمۃ واحدۃ .**

''آپ رحمہ اللہ جنازے پر چار تکبیریں کہتے، ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے، پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھتے، پھر ایک ہی سلام پھیر دیتے۔'' (سیرۃ الامام احمد بن حنبل لابی الفضل صالح بن احمد : ص ٤٠)

دونوں طرف سلام پھیرنے کے دلائل اور ان کا جائزہ

نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کے بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

دلیل نمبر ① : ابراہیم الہجری کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے ایک جنازہ پر دائیں بائیں سلام پھیرا اور فرمایا: **رأیت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یصنع ھکذا .**

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا ہے۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقی : ٤٣/٤)

تبصرہ : اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں ابراہیم بن مسلم ہجری راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، اس پر امام ابوحاتم الرازی، امام نسائی، امام بخاری، امام ترمذی، امام ابن عدی، امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، امام جوزجانی، امام ابنِ سعد اور ابنِ جنید رحمہم اللہ کی سخت جروح ہیں۔

(دیکھیں تھذیب التھذیب لابن حجر : ۱/۱٤٣۔۱٤٤)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کو ''**لیّن الحدیث، رفع موقوفات**'' کہا ہے۔ (تقریب التھذیب : ۲۵۲)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (تلخیص المستدرک للذھبی : ۱/۵۵۵)

دلیل نمبر ② : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثلاث خلال کان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یفعلھنّ ، ترکھنّ النّاس ، احداھنّ التّسلیم علی الجنازۃ مثل التّسلیم فی الصّلاۃ . ''تین کام ایسے ہیں، جن کو اللہ کے رسول ﷺ کیا کرتے تھے، لیکن لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے، ان میں سے ایک جنازے میں عام نماز کی طرح سلام پھیرنا ہے۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقی : ٤٣/٤)

تبصرہ : یہ روایت ''ضعیف'' ہے، اس کی سند میں ابراہیم نخعی راوی ''مدلس'' ہیں، جو کہ ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں، مسلّم اصول ہے کہ جب ثقہ مدلس بخاری و مسلم کے علاوہ ''عن'' سے روایت کرے تو وہ روایت ''ضعیف'' ہوتی ہے، تاوقتیکہ وہ سماع کی صراحت کر دے۔

دلیل نمبر ③ : سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صلّینا مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم علی جنازۃ ، فسلّم عن یمینہ وعن شمالہ .

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک میت پر نماز پڑھی، آپ ﷺ نے اپنی دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا۔'' (المعجم الاوسط للطبرانی : ٤٣٣٤)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں خالد بن نافع الاشعری راوی ''ضعیف'' ہے۔

امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ''ضعیف الحدیث'' ہے۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ٣٥٥/٣)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: شیخ لیس بقویّ ، یکتب حدیثہ . ''یہ شیخ ہے، قوی نہیں ہے، اس کی حدیث (متابعات و شواہد میں) لکھی جائے گی۔'' (الجرح والتعدیل : ٣٥٥/٣)

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی : ص ١٧٢)

دلیل نمبر ④ : ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نمازِ جنازہ میں دائیں بائیں سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ : ٣٠٧/٣، وسندہٗ حسنٌ)

تبصرہ : ① ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا یہ فعل، نبیٔ اکرم ﷺ، آپ ﷺ کے دو صحابہ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما، واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ اور جمہور ائمہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے نا قابلِ عمل ہے۔

② ابراہیم نخعی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں: تسلیم السّھو والجنازۃ واحد .

''سہو اور جنازہ کا سلام ایک ہی ہے۔'' (مصنف ابن ابی شیبۃ : ٣٠٦/٣، وسندہٗ صحیحٌ)

فائدہ : فرض نماز میں ایک سلام کے متعلق مرفوع روایات ساری کی ساری ''ضعیف'' ہیں، البتہ بعض آثارِ صحابہ میں ایک سلام کا ذکر ہے۔ اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ فعل نبوی کے مطابق فرض نماز میں سلام دونوں طرف پھیرا جائے۔

صحابہ کرام وتابعین عظام کے آثار سے فرض نماز میں بھی ایک طرف سلام پر اکتفا کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ محدثین کرام سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے، لہٰذا جب فرض نماز میں ایک طرف سلام پھیرنے پر اکتفا کیا جا سکتا ہے تو نمازِ جنازہ میں تو بالاولیٰ جائز ہے، اس پر سہاگہ یہ کہ اس میں نص بھی ثابت ہے۔

الحاصل : نمازِ جنازہ میں صرف ایک سلام ہے، دونوں طرف سلام پھیرنا نبیٔ اکرم ﷺ یا کسی صحابی سے باسندِ صحیح ثابت نہیں ہے، مدعی پر دلیل لازم ہے۔

واللہ أعلم وعلمه أحكم !

❀❀❀❀❀❀❀

حاصلِ مطالعہ

معاذ، معوذ

امام دارقطنی رحمہ اللہ (۳۰۶۔۳۸۵ھ) فرماتے ہیں:

''بغداد میں اہل علم کی ایک جماعت میں اختلاف واقع ہوا، ایک گروہ کہتا تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور دوسرا کہتا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں، وہ میرے پاس فیصلہ لے کر آئے، انہوں نے اس کے بارے میں مجھ سے سوال کیا، میں خاموش رہا، میں نے خیال کیا کہ خاموشی بہتر ہے، لیکن مجھ سے خاموش نہ رہا گیا، میں نے کہا کہ پرواہ نہیں، وہ جو چاہیں، میرے بارے میں کہہ دیں، میں نے فتویٰ طلب کرنے والے کو بلایا اور کہا، آپ ان کے پاس جا کر کہہ دیں کہ ابوالحسن (دارقطنی) کہتا ہے کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، اس عقیدہ پر صحابہ کرام کا اتفاق واجماع ہے، اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے، اس سے رافضیت کی پہلی گرہ کھل جاتی ہے۔'' (سوالات السلمی للدارقطنی : ص ۲۳۸)

❀❀❀❀❀❀❀

ایک تقلیدی فتویٰ

غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أدرک من الصّبح رکعة قبل أن تطلع الشّمس ، فقد أدرک الصّبح ، ومن أدرک من العصر رکعة قبل أن تغرب الشّمس ، فقد أدرک العصر .

''جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ صبح کی ایک رکعت پالی، اس نے نمازِ صبح پالی اور جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پڑھ لی، اسے نے عصر کی نماز پالی۔''

(صحیح بخاری : ۸۲/۱، ح : ۵۷۹، صحیح مسلم : ۲۲۱/۱، ح : ۶۰۷)

یہ روایت صحیح مسلم (۶۰۹) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

یہ حدیثِ مبارک اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی، باقی رکعات ادا کر لے تو اس کی نمازِ عصر صحیح ہے، اگر طلوعِ آفتاب سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پالی، دوسری رکعت ادا کرنے پر نمازِ فجر ادا ہو جائے گی۔

اس حدیث کے تحت حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) لکھتے ہیں: **ھذا دلیل صریح فی أنّ من صلّی رکعة من الصّبح أو العصر ، ثمّ خرج الوقت قبل سلامه ، لا تبطل صلاته ، بل یتمّها ، وھی صحیحة ، وھذا مجمع علیه فی العصر ، وأمّا فی الصّبح ، فقال به مالک والشّافعیّ وأحمد والعلماء کافّة الّا أبا حنیفة قال : تبطل صلاة الصّبح بطلوع الشّمس فیھا ، لأنّه وقت النّھی من الصّلاة بخلاف غروب الشّمس والحدیث حجّة علیه .**

''یہ حدیث بین دلیل ہے کہ جس نے صبح یا عصر کی نماز کی ایک رکعت پڑھی، پھر سلام پھیرنے سے پہلے اس نماز کا وقت ختم ہو گیا، اس کی نماز باطل نہیں ہو گی، بلکہ وہ اپنی نماز کو پورا کرے گا اور اس کی نماز صحیح ہے۔ عصر کے بارے میں تو اجماع ہے، فجر کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ باقی سب ائمہ مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں، مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر نمازِ فجر کے دوران سورج طلوع ہو گیا تو نماز باطل ہو جائے گی، کیونکہ یہ نماز کا ممنوع وقت ہے، جبکہ غروبِ آفتاب کا وقت ممنوع نہیں، یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔'' (شرح صحیح مسلم للنووی : ۲۲۱/۱-۲۲۲)

امام ابن المنذر نیسابوری رحمہ اللہ (م ۳۱۸ھ) لکھتے ہیں: قد جعل النبيّ صلّى الله عليه وسلّم من أدرك من العصر قبل أن تغرب الشّمس ، ومن أدرك ركعة من الصّبح قبل أن تطلع الشّمس مدركا للصّلاتين وجمع بينهما ، فلا معنىٰ لتفريق من فرق الشّيئين جمعت السّنّة بينهما ، ولو جاز أن تفسد صلاة من جاء الى وقت لا تحلّ الصّلاة فيه ألزم أن تفسد صلاة من ابتدأها في وقت لا تجوز الصّلاة فيها ، وليس فيما ثبت عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم الّا التّسليم له وترك أن يحمل على القياس والنّظر ... ''نبیٔ اکرم ﷺ نے اس شخص کو نماز پانے والا قرار دیا ہے، جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی یا طلوعِ آفتاب سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالی، نیز آپ ﷺ نے ان دونوں نمازوں کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے، چنانچہ سنت نے جن چیزوں کو جمع کیا ہے، انہیں الگ کرنا درست نہیں، اگر ایسے شخص کی نماز فاسد ہوگی، جس نے مکروہ وقت میں نماز ادا کی تو لازم تھا کہ اس کی نماز شروع ہی سے باطل ہو جاتی، حالانکہ جو کچھ نبیٔ اکرم ﷺ سے ثابت ہے، اسے تسلیم کرنا اور قیاس پر محمول نہ کرنا ہی واجب ہے۔'' (الاوسط لابن المنذر : ۳۴۹/۲)

کرمانی حنفی لکھتے ہیں: وفي الحديث أنّ من دخل الصّلاة ، فصلّى ركعة وخرج الوقت كان مدركا لجميعها ، وتكون أداء ، وهو الصّحيح . ''اس حدیث (ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص نماز میں داخل ہوا، اس نے ایک رکعت پڑھی تو وقت ختم ہو گیا، وہ ساری کی ساری نماز کو پانے والا ہے، یہی صحیح اور درست ہے۔'' (شرح صحيح البخاري : ۲۰/٤)

④ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذا أدركت ركعة من صلاة الصّبح قبل أن تطلع الشّمس ، فصلّ اليها أخرى .

''اگر آپ سورج طلوع ہونے سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پالیں تو اس کے ساتھ دوسری رکعت بھی پڑھ لیں (نماز مکمل کر لیں)۔'' (مسند الامام احمد : ۲۳٦/۲، ٤۸۹، وسندهٔ صحيحٌ)

مسند احمد (۴۹۰/۲) میں ہی قتادہ رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔

یہ حدیثِ مبارکہ نصِ صریح ہے کہ جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پالی، وہ دوسری رکعت پڑھ کر نماز مکمل کرے گا۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۳٦۸۔۴٦۳ھ) نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وهـذا اجـمـاع من المسلمين ، لا يختلفون في أنّ هذا المصلّي فرض عليه واجب أن يأتي بتمام صلاة الصّبح وتمام صلاة العصر . ''اس پر مسلمانوں کا بلا اختلاف اجماع ہے کہ ایسے نمازی پر نمازِ صبح اور نمازِ عصر مکمل کرنا واجب ہے۔'' (التمهيد لابن عبد البر : ۲۷۳/۳)

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مـن صلّى سجدة واحـدة مـن الـعـصـر قبل غروب الشّمس ، ثمّ صلّى ما بقى بعد غروب الشّـمس ، فلم تفته العصر ، وقال : ومن صلّى سجدة واحدة من الصّبح قبل طلوع الشّمس ، ثمّ صلّى ما بقى بعد طلوع الشّمس ، فلم تفته صلاة الصّبح .

''جس شخص نے نمازِ فجر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لی ، باقی ماندہ نماز سورج غروب ہونے کے بعد پڑھ لی ، اس سے عصر کی نماز فوت نہیں ہوئی ، فرمایا ، اور جس نے نمازِ فجر کی ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی ، باقی ماندہ نماز سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھی ، اس کی صبح فوت نہیں ہوئی۔'' (مسند السراج : ۹۳٦، وسندهٗ صحيحٌ) دیگر عمومی روایات بھی اس مسئلہ کی مؤید ہیں۔

قـال عبـد الله : سألت أبى عن رجل صلّى بالغداة ، فلمّا صلّى ركعة قام في الثّانية ، طلعت الشّمس ، قال : يتمّ الصّلاة ، هي جائزة . ''عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے ، جس نے نمازِ فجر پڑھی ، جب رکعت ادا کر کے دوسری کے لیے کھڑا ہوا تو سورج طلوع ہو گیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا ، وہ اپنی نماز مکمل کرے ، یہ جائز ہے۔''

(مسائل الامام احمد لابنه عبد الله : ٥٤-٥٥)

اب ان صحیح احادیثِ نبویہ اور اجماعِ امت کے خلاف فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال : ''اگر صبح کی نماز پڑھتے پڑھتے آفتاب طلوع ہو جائے یا عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے غروب ہو جائے تو کیا فجر و عصر کی نماز ادا ہو جائے گی؟''

الجواب : ''عصر کی نماز ہو جائے گی ، فجر کی نہیں ہوگی۔''

(احسن الفتاوی از رشید احمد دیوبندی لدھیانوی کراچوی : ۱۳۷/۲)

سوال : ''اگر فجر کی نماز میں آفتاب طلوع کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب : ''عندالحنفیہ نماز اس کی فاسد ہوگی ، بعد طلوع وارتفاعِ آفتاب پھر صبح کی نماز اس کو

پڑھنا چاہیے۔'' (فتاوی دارالعلوم دیوبند : ٤٧/٤)

بعض الناس کے یہ دونوں فتوے احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ امت کے خلاف ہیں، یہ حدیث کے ایک ٹکڑے پر عمل ہے، دوسرے کی مخالفت ہے، قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ (البقرة : ٨٥)

''کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لے آتے ہو اور بعض سے کفر کرتے ہو؟'' فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى !

جناب محمد تقی عثمانی دیوبندی حیاتی صاحب اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''حدیثِ باب حنفیہ کے بالکل خلاف ہے، مختلف مشائخ حنفیہ نے اس کا جواب دینے میں بڑا زور لگایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی شافی جواب نہیں دیا جا سکا، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ مسلک پر اس کو مشکلات میں شمار کیا گیا ہے۔'' (درسِ ترمذی از تقی عثمانی : ٤٣٤/١)

نیز تقی عثمانی صاحب اس مسئلہ میں اپنے دلائل پر تبصرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

''خود صاحبِ معارف السنن (محمد یوسف بنوری دیوبندی) نے حضرت شاہ صاحب (انور شاہ کشمیری دیوبندی) کی اس توجیہ کو بہت مفصل اور موجہ کر کے بیان کیا ہے، لیکن آخر میں خود انہوں نے بھی یہ اعتراض کیا ہے شرح صدر اس پر بھی نہیں ہوتا، اس کے علاوہ ان تمام توجیہات پر ایک مشترک اعتراض یہ ہے کہ حدیث کو اپنے ظاہر سے مؤوّل کرنا کسی نص یا دلیل شرعی کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اس معاملہ میں تفریق بین الفجر والعصر کے بارے میں حنفیہ کے پاس نصِ صریح نہیں، صرف قیاس ہے اور وہ بھی مضبوط نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کی طرف سے کوئی ایسی توجیہ اب تک احقر (محمد تقی عثمانی) کی نظر سے نہیں گزری، جو کافی اور شافی ہو، اس لیے حدیث کو توڑ مروڑ کر حنفیہ کے مسلک پر فٹ کرنا کسی طرح مناسب نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت (رشید احمد) گنگوہی نے فرمایا کہ اس حدیث کے بارے میں حنفیہ کی تمام تاویلات باردہ ہیں اور حدیث (ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ) میں کھینچ تان کرنے کے بجائے کھل کر یہ کہنا چاہیے کہ اس بارے میں حنفیہ کے دلائل ہماری سمجھ میں نہیں آ سکے، اور ان اوقات میں نماز پڑھنا ناجائز تو ہے، لیکن اگر کوئی پڑھ لے تو ہو جائے گی۔ حضرت گنگوہی کے علاوہ صاحبِ بحر الرائق (ابن نجیم حنفی) اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی دلائل کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک رحمہم اللہ) کے مسلک کو ترجیح دی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ طلوعِ شمس سے فجر کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔''

(درسِ ترمذی از تقی عثمانی : ٤٣٩/١۔٤٤٠)

اللّٰهم أرنا الحق حقًّا وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه !

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من أحد يسلّم عليّ الّا ردّ اللّه عليّ روحى ، حتّى أردّ عليه السّلام .

''(میرے فوت ہو جانے کے بعد) کوئی بھی مسلمان مجھ پر سلام نہیں کہے گا، مگر اللہ تعالیٰ اتنی دیر میری روح لوٹا دے گا کہ میں اس پر جواب لوٹا دوں۔'' (سنن أبی داوٗد : باب زيارة القبور ، ح : ٢٠٤٣) ①

---

① اس حدیث کی سند کو حافظ نووی (خلاصة الأحكام : ٤٤١/١، ح : ١٤٤٠)، شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اقتضاء الصراط المستقيم : ص ٣٢٤)، حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ (جلاء الافهام : ٥٣/١) حافظ ابن الملقن (تحفة المحتاج : ١٩٠/٢) رحمہم اللہ وغیرہ نے ''صحیح'' اور حافظ عراقی (تخريج احاديث الاحياء : ح ١٠١٣)، حافظ ابن عبد الہادی (الصارم المنكى : ١١٤/١) رحمہم اللہ نے ''جید'' کہا ہے، نیز حافظ سخاوی (المقاصد الحسنة : ٥٨٧/١)، حافظ عجلونی (كشف الخفاء : ١٩٤/٢) وغیرہ نے اس اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

مذکورہ حدیث تو واقعی کم از کم ''حسن'' ہے، لیکن یہ سند ''منقطع'' ہے، کیونکہ یزید بن عبد اللہ بن قسیط راوی جو کہ کثیر الارسال ہیں، انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ڈائریکٹ یہ حدیث نہیں سنی، بلکہ وہ ایک واسطے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں، جو کہ (المعجم الأوسط للطبرانى : ٢٦٢/٣، ح : ٣٠٩٢) میں موجود ہے اور اس کی سند ''حسن'' ہے۔

اس روایت میں امام طبرانی رحمہ اللہ کے شیخ بکر بن سہل الدمیاطی جمہور محدثین کے نزدیک ''ثقہ'' ہیں، کیونکہ امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المختارة : ١٥٩) اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرك على الصحيحين : ١٧٧/٤، ٦٤٣، ٦٤٦) نے ان کی توثیق کی ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

نیز مستخرج ابی نعیم (٥٨٣، ٥٨٦، وغیرہ) اور مستخرج ابی عوانہ (٢٥٢٤، ٦٩٠٣) میں بھی ان کی روایت موجود ہے، جو کہ ان کے ثقہ ہونے پر واضح دلیل ہے۔

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ضعّفه النّسائىّ ، ووثّقه غيرهٗ .**

''امام نسائی رحمہ اللہ نے تو ان کو ضعیف کہا ہے، لیکن دوسروں نے ان کو ثقہ کہا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ١١٧/٤) ⇦

اس حدیث کا تعلق آپ ﷺ کی وفات کے بعد والے زمانہ کے سلام سے ہے، گویا یہ کسی سوال کا

⇦ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو "متوسط"، یعنی درمیانے درجہ کا راوی کہا ہے۔(المغنی : ٩٧٨)

نیز فرماتے ہیں: **حمل النّاس عنه ، وهو مقارب الحال ، قال النّسائیّ : ضعیف .**

"محدثین نے ان سے روایات لی ہیں اور وہ حسن الحدیث راوی ہے، امام نسائی نے ان کو ضعیف کہا ہے۔"(میزان الاعتدال : ٦٢/٢)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ ایک سند پر حکم لگاتے ہوئے، جس میں بکر بن سہل بھی موجود ہیں، لکھتے ہیں:

ورجاله موثوقون الّا سلیمان بن أبی کریمة ، ففیه مقال .

"اس کے سارے راویوں کو ثقہ کہا گیا ہے، سوائے سلیمان بن ابی کریمہ کے کہ اس میں کچھ جرح موجود ہے۔"(الأمالی المطلقة لابن حجر : ١٢/١)

حالانکہ لسان المیزان میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے خود بکر بن سہل الدمیاطی پر امام نسائی کی جرح ذکر کی ہے۔(لسان المیزان لابن حجر : ٥١/٢، ت : ١٩٥)

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ اور حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی امام نسائی رحمہ اللہ کی بکر بن سہل الدمیاطی پر جرح مقبول نہیں، بلکہ جمہور کی توثیق کی وجہ سے وہ "ثقہ" ہی ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محدث البانی رحمہ اللہ کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ:

ضعّفه النّسائیّ ، ولم یوثّقه أحد . "اس (بکر بن سہل الدمیاطی) کو امام نسائی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے، ثقہ کسی نے نہیں کہا۔"(سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة : ٥٦٢/١٤)

رہا مسئلہ یہ کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں بکر بن سہل الدمیاطی پر جو امام نسائی رحمہ اللہ اور مسلمہ بن قاسم کی جرح نقل کی ہے، اس کا کیا معنیٰ تو عرض ہے کہ:

۞ امام نسائی رحمہ اللہ راویوں کے بارے میں بسا اوقات زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے، اس بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فکم من رجل أخرج له أبوداؤد والتّرمذیّ وتجنّب النّسائیّ حدیثه ، بل تجنّب اخراج حدیث جماعة من رجال الصّحیحین ، وقال سعد بن علی الزّنجانیّ : انّ لأبی عبد الرّحمٰن شرطا فی الرّجال أشدّ من شرط البخاریّ ومسلم .**

"کتنے ہی راوی ہیں، جن کی روایات امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے بیان کی ہیں، لیکن امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کی حدیث بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے، بلکہ انہوں نے تو (مزید احتیاط کو مدِّنظر رکھتے ہوئے) صحیح بخاری و مسلم ⇦

جواب ہے، جسے راوی نے حدیث بیان کرتے ہوئے بیان نہیں کیا، یعنی کسی صحابی نے آپ ﷺ سے سوال کیا

⇦ کے بہت سے راویوں کی حدیث بیان کرنے سے بھی اجتناب کیا ہے، سعد بن علی زنجانی کا کہنا ہے کہ امام ابوعبدالرحمٰن (نسائی) کی راویوں کے بارے میں شرط امام بخاری و مسلم سے بھی کڑی ہے۔'' (النکت علی کتاب ابن الصلاح: ٧٦/١)

۞ دوسری بات یہ ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ سے یہ جرح ثابت بھی نہیں، جیسا کہ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے مجھے توجہ دلائی کہ امام موصوف سے اس بات کو بیان کرنے والے ان کے بیٹے عبدالکریم کے حالات ہمیں نہیں مل سکے۔ واللہ اعلم!

۞ باقی رہا مسلمہ بن قاسم کا بکر بن سہل الدمیاطی پر یہ جرح کرنا کہ:

تكلّم النّاس فيه . ''لوگوں نے اس پر جرح کی ہے۔'' (لسان المیزان: ٥١/٢)

تو یہ کئی وجوہ سے مردود و باطل ہے:

① مسلمہ بن قاسم خود ناقابل اعتبار شخص تھا، لہٰذا اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔

② امام نسائی رحمہ اللہ کے سوا کسی محدث کا ان پر جرح کرنا ثابت نہیں، مسلمہ بن قاسم کے ذکر کردہ لوگ ''مجہول'' ہونے کی بنا پر لائق اعتناء نہیں۔

③ مسلمہ بن قاسم ان راویوں کے بارے میں بھی یہ الفاظ ذکر کردیتا ہے، جو خود اس کے نزدیک بھی ''حسن الحدیث'' ہوتے ہیں، لسان المیزان ہی میں موجود ہے کہ:

وقال مسلمة بن قاسم : ليس به بأس ، تكلّم النّاس فيه .

''مسلمہ بن قاسم نے کہا ہے کہ اس (یحییٰ بن ابی طالب) میں کوئی حرج نہیں (وہ حسن الحدیث راوی ہے)، لوگوں نے اس پر جرح کی ہے۔'' (لسان المیزان: ٢٦٢/٦) معلوم ہوا کہ بکر بن سہل الدمیاطی پر تمام جروح مردود ہیں۔

تنبیہ : طبرانی اوسط کی مذکورہ سند میں حیوۃ بن شریح کے شاگرد عبداللہ بن یزید ''الاسکندرانی'' ذکر کیے گئے ہیں، جن کا کتب تاریخ و رجال میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا، جبکہ باقی کتبِ حدیث میں یہ راوی عبداللہ بن یزید ''المقری''ہیں، جو کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے معروف راوی ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ طبرانی میں مذکور عبداللہ بن یزید ''الاسکندرانی'' دراصل ''المقری'' ہی ہیں، کیونکہ حیوۃ بن شریح کے شاگردوں میں کسی اور عبداللہ بن یزید کا پتا نہیں چل سکا۔ پھر طبرانی اوسط میں ہی امام طبرانی نے اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ذکر کی ہے، جس میں اگرچہ یزید بن عبداللہ بن قسیط اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ابوصالح کا ⇦

تھا کہ اب تو ہم آپ ﷺ کو سلام کہتے ہیں اور آپ جواب دیتے ہیں، آپ کی وفات کے بعد ہمارا سلام کس طرح اور آپ کا جواب کس طرح ہوگا؟ اس پر آپ ﷺ کی طرف سے یہ فرمان جاری ہوا۔

⇦ واسطہ موجود نہیں، لیکن امام صاحب کے استاذ کے شیخ عبداللہ بن یزید کے نام کے ساتھ ''المقری'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں ہے۔

ان کو ''الاسکندانی'' کہے جانے کی وجہ شاید یہ ہے کہ ''معجم البلدان'' میں اسکندریہ نامی تیرہ شہر ذکر کیے گئے ہیں، جو کہ اب کسی اور نام سے معروف ہیں، عین ممکن ہے کہ ان کے علاقے کو بھی ''اسکندریہ'' کہا جاتا ہو اور شاید اسی وجہ سے ہی محدث البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قلت : هو المقرئ ، ثقة ، من رجال الشّيخين ...

''میں کہتا ہوں کہ یہ (عبداللہ بن یزید الاسکندرانی) المقری ہی ہیں، جو کہ ثقہ ہیں، صحیح بخاری و صحیح مسلم کے ایک راوی ہیں۔'' (السلسلة الصحيحة : ٣٣٨/٥، ح : ٢٢٦٦)

لیکن اگر اس عبداللہ بن یزید الاسکندرانی کو ''مجہول'' قرار دیا جائے تو لامحالہ طور پر سنن ابی داؤد والی سند ''حسن'' ہو جائے گی، کیونکہ اس کے ضعف پر سوائے اس روایت کے اور کوئی دلیل نہیں کہ طبرانی اوسط میں یزید بن عبداللہ بن قسیط اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ابو صالح کا واسطہ موجود ہے، جبکہ سنن ابی داؤد میں موجود نہیں، اگر طبرانی اوسط والی یہ سند ''ضعیف'' قرار پاتی ہے تو سنن ابی داؤد کی سند میں موجود ''انقطاع'' کی یہ دلیل ختم ہو جائے گی اور پھر اسے ''منقطع'' قرار دینا بلا دلیل ہوگا۔

اگرچہ یزید بن عبداللہ بن قسیط ''کثیر الارسال'' ہیں، لیکن صرف یہ شبہ اس سند کے ضعف کی دلیل نہیں ہوگا کہ شاید یہاں بھی انہوں نے ''ارسال'' کر کے کوئی واسطہ گرا کر ڈائریکٹ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کر دیا ہو۔ یزید بن عبداللہ بن قسیط کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع و لقاء ثابت ہے۔ (السنن الكبرٰى للبيهقي : ١٢٢/١، ح : ٥٩٨، وسندهٗ جيدٌ)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اس اصول پر محدثین کا اجماع نقل کیا ہے کہ غیر مدلس راوی اگر بصیغۂ ''عن'' روایت کرے اور اپنے شیخ سے اس کا سماع و لقاء کسی دلیل سے ثابت نہ ہو، بلکہ اس کا امکان ہو تو بھی روایت ''اتصال'' پر محمول ہوگی، چہ جائیکہ کسی جگہ اس کے سماع کی صراحت بھی مل جائے! لہٰذا اگر طبرانی اوسط والی سند کو ''الاسکندرانی'' کی وجہ سے ''ضعیف'' خیال کیا جائے تو بھی اس اجماع کے خلاف صرف ''شبۂ انقطاع'' کو معتبر نہیں سمجھا جائے گا۔ انّ الظّنّ لا يغني من الحقّ شيئا --- پھر ہمارے علم کے مطابق ''کثیر الارسال'' راوی کی ''عن'' والی روایت کو متقدمین میں سے امام ابن سعد (الطبقات : ٦٩٣/٦) کے علاوہ کسی نے بھی ''شبہ انقطاع'' کی وجہ سے ''ضعیف'' قرار نہیں دیا، ⇦

مسئلہ حیات النبی ﷺ

بعض لوگ اس حدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کشید کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ یوں کہ کوئی بھی اگر رسولِ کریم ﷺ پر سلام کہتا ہے تو آپ ﷺ کی روح لوٹائی جاتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں، اس سے آپ ﷺ کی مستقل زندگی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس سلام میں انقطاع نہیں ہوتا، ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر آپ ﷺ پر سلام بھیجا جا رہا ہوتا ہے اور آپ ﷺ اس کا جواب دے رہے ہوتے ہیں۔ کوئی وقت بھی اس عمل سے خالی نہیں رہتا، ثابت ہوا کہ آپ ﷺ بھی مسلسل زندہ ہیں۔

لیکن جس بنیاد پر یہ استدلال کیا گیا ہے، وہ بہت ہی بودی اور کمزور ہے اور اس پر تعمیر کی جانے والی عمارت تھوڑا سا غور کرنے پر فوراً منہدم ہو جاتی ہے، کیونکہ اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نہ آپ ﷺ پر سلام کبھی منقطع ہوتا ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کی طرف سے اس کے جواب میں انقطاع ہوتا ہے، جبکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ:

① اس حدیث سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ ہر سلام کہنے والے کا جواب لوٹاتے ہیں، خواہ وہ قریب سے سلام کہے یا دور سے، بلکہ یہ حدیث تو صرف قریب سے سلام کہنے والے کے بارے میں ہے، کیونکہ دور سے سلام کہنے والے کے بارے میں آپ ﷺ نے خود صراحتاً یہ بات فرما دی ہے کہ اس کا سلام آپ ﷺ تک فرشتے پہنچاتے ہیں اور اس کا جواب بھی آپ ﷺ سے خود دینا ثابت نہیں، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جو کہ سابقہ حدیث کے راوی ہیں، جس سے حیات النبی ﷺ پر دلیل لی جاتی ہے، وہی

⇐ لیکن اس کو بھی اس پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ ''کثیر الارسال'' راوی کسی ایسے صحابی سے ''عن'' کے ساتھ روایت کر رہا ہو، جس سے اس کا سماع کہیں بھی ثابت نہ ہو۔

ورنہ پھر **امام عطاء بن ابی رباح**، **امام مکحول شامی** (خصوصاً حديثه في القراءة خلف الامام، عنعن فيه)، **امام ضحاک بن مزاحم**، امام عبداللہ بن زید ابوقلابہ جرمی، امام ابوالعالیہ رفیع بن مہران وغیرہم رحمہم اللہ کی ''عن'' والی ساری روایات اس ''شبہ انقطاع'' کی نظر ہو کر ''ضعیف'' قرار پائیں گی، کیونکہ یزید بن عبداللہ بن قسیط کی طرح یہ مذکورہ ائمہ بھی ''کثیر الارسال'' ہیں، حالانکہ ان کی ایسی روایات سب کے ہاں معتبر ہوتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بہر حال ''حسن'' درجہ کی ہے۔ والله أعلم بالصّواب وعلمه أبرم وأحكم !

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرماتے ہیں کہ: ((لا تتخذوا بیوتکم قبورا ، ولا تجعلوا قبری عیدا ، وصلّوا علیّ ، فانّ صلاتکم تبلغنی حیث کنتم)) ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ، نہ ہی میری قبر کو میلہ گاہ بنانا، (بلکہ جہاں بھی ہو) مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ تم جہاں بھی ہو گے، تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا۔''(مسند الامام احمد : ٣٦٧/٢، ح : ٨٧٩٠، سنن ابی داوٗد : ٢٠٤١، واللفظ له ، وسندهٗ حسنٌ)

نیز سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((انّ للّٰه ملائکة سیّاحین فی الأرض ، یبلّغونّی من أمّتی السّلام))

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے موجود ہیں، جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں، وہ میری امت کی طرف سے سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔''(مسند الامام احمد : ٣٨٧/١، ٤٤١، ٤٥٢، سنن النسائی الصغرٰی : ٤٤/٣، ح : ١٢٨٢، الکبرٰی لهٗ : ٢٢/٦، وسندهٗ حسنٌ) ①

ان احادیث سے صریح طور پر یہ معلوم ہو گیا ہے کہ دور سے درود وسلام کہنے والے کا وہ حکم نہیں، جو قریب سے سلام کہنے والے کا ہے، کیونکہ دور سے سلام کہنے والے کو آپ ﷺ کے جواب لوٹانے کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے، جبکہ قریب سے سلام کہنے والے کو جواب لوٹانے پر نص موجود ہے۔

محدثین وائمہ دین کی تصریحات بھی اس پر شاہد ہیں۔

---

① اس حدیث کی بہت سے ائمہ نے ''تصحیح'' کی ہے، مثلاً امام ابن حبان رحمہ اللہ (٩١٤) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرك علی الصحیحین : ٤٥٦/٢) نے ''صحیح الاسناد'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

یاد رہے کہ اس حدیث میں سفیان ثوری رحمہ اللہ تدلیس نہیں کر رہے، کیونکہ سماع کی صراحت موجود ہے (فضل الصلاة علی النبی للقاضی اسماعیل ، بحوالة الصارم المنکی : ٢٠٢/١)، نیز مسند البزار (١٩٢٤) میں اس حدیث کو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ بیان کر رہے ہیں اور وہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے صرف وہی احادیث بیان کرتے ہیں، جن میں سماع کی صراحت ہوتی ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا:

ما کتبت عن سفیان شیئا الّا ما قال فیه : حدّثنی أو حدّثنا ....

''میں نے سفیان (ثوری رحمہ اللہ) سے صرف وہ احادیث لکھی ہیں، جن میں انہوں نے حَدَّثَنَا یا حَدَّثَنِيْ کے الفاظ کہے ہیں۔''(العلل ومعرفة الرجال لاحمد بن حنبل : ٥١٧/١)

پھر سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث، جس کو ہم آئندہ بیان کریں گے، اسے بھی پڑھ لیں تو بالکل وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس سلام کا جواب اللہ تعالیٰ دس رحمتوں کے نزول کی صورت میں دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فهم العلماء منه السّلام عند قبره خاصّة ، فلا يدلّ على البعيد .** ''اس حدیث سے علمائے کرام نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس سلام (کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا لوٹایا جانا) سمجھا ہے، یہ حدیث دور (سے سلام کہنے پر روح کے لوٹائے جانے) پر دلالت نہیں کرتی۔'' (الرد علی البکری : ۱۰۷/۱)

نیز فرماتے ہیں: **وهذا الحديث هو الّذى اعتمد عليه العلماء ، كأحمد وأبى داؤد وغيرهما فى السّلام عليه عند قبره ....** ''یہی وہ حدیث ہے، جس پر امام احمد بن حنبل اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ وغیرہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہنے کے سلسلہ میں اعتماد کیا ہے۔''
(الرد علی البکری : ۱۰۶/۱)

علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ بھی اسے اکثر علمائے کرام کے نزدیک قبر کے پاس پر محمول کرتے ہیں۔
(الصارم المنکی لابن عبد الهادی : ۱۱۵/۱)

قریب سے مراد صرف حجرۂ عائشہ ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی سفر سے واپس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس جا کر یہ الفاظ کہتے:

السّلام عليک يا رسول الله ، السّلام عليک يا أبا بكر ، السّلام عليک يا أبتاه .

''اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو، اے ابوبکر! آپ پر سلامتی ہو، اے میرے ابا جان! آپ پر سلامتی ہو۔'' (فضل الصلاۃ علی النبی للقاضی اسماعیل بن اسحاق : ص ۸۱-۸۲، ح : ۹۹، السنن الکبریٰ للبیهقی : ۲۴۵/۵، وسندہٗ صحیحٌ)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح لوٹائے جانے کا تعلق صرف اس شخص سے ہے، جو قبر مبارک کے عین قریب جا کر سلام کہے، جیسا کہ علامہ شنقیطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ومجمعون أنّ ذلک يحصل لمن سلّم عليه صلّى الله عليه وسلّم من قريب ...

''اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب لوٹانا) اس شخص کو حاصل ہوتا ہے، جو کہ قریب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہتا ہے۔۔۔'' (اضواء البیان للشنقیطی : ۸۳۸/۸)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (تفسیر ابن کثیر : ۶۲۱/۳) وغیرہ نے بھی اس حدیث کا تعلق اسی شخص سے قائم کیا ہے، جو

قریب سے آپ ﷺ کو سلام کہتا ہے، دور سے سلام کہنے والوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس کا جواب تو اللہ تعالیٰ رحمت کی صورت میں لوٹاتا ہے۔

ابوطیب شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **والقول الصّحيح أنّ هذا لمن زاره ، ومن بعُد عنه تبلغه الملائكة سلامه .** ''صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے، جو آپ ﷺ (کی قبر مبارک) کی زیارت کرے اور جو دور ہو، فرشتے اس کا سلام آپ ﷺ تک پہنچاتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ رحمت کر کے اس کا جواب دیتا ہے)۔'' (عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد : ۲۲/٦)

ابوالحسن عبیداللہ بن محمد رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فانّ الصّحيح أنّ المراد في الحديث السّلام عليه عند قبره ، كما فهمه كثير من العلماء ....**

''صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد آپ ﷺ کی قبر مبارک کے قریب کہا جانے والا سلام ہے، جیسا کہ بہت سے علمائے کرام نے سمجھا ہے۔'' (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح : ۲٦۳/۳)

سب سے واضح بات تو یہ ہے خود امام ابوداؤد رحمہ اللہ اسے قبروں کی زیارت کے باب میں بیان کر رہے ہیں۔

جب احادیث اور محدثین کی صراحت سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس حدیث میں جو روح لوٹائے جانے اور جواب لوٹانے کا بیان ہے، اس کا تعلق صرف حجرۂ عائشہ میں کھڑے ہو کر سلام کہنے والے سے ہے، دنیا کے ہر درود و سلام پڑھنے والے سے نہیں تو اب یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر آج تک کوئی دور ایسا نہیں آیا کہ حجرۂ عائشہ میں ہر وقت رسول اللہ ﷺ پر سلام کہا جا رہا ہو، لہٰذا اس حدیث سے یہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ چونکہ آپ ﷺ پر ہر وقت کہیں نہ کہیں سلام کہا جا رہا ہوتا ہے اور روح لوٹی ہی رہتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ مستقل زندہ ہیں! یوں اس حدیث سے ''حیات النبی ﷺ'' کا اثبات واضح طور پر باطل ہے۔

﴿2﴾ اس حدیث کے الفاظ بھی مسئلہ حیات کے منافی ہیں، جیسا کہ علامہ عبدالہادی رحمہ اللہ اس کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **وليس هذا المعنٰى المذكور في الحديث ، ولا هو ظاهره ، بل هو مخالف لظاهره ، فانّ قوله : ((الّا ردّ اللّٰه عليّ روحی)) بعد قوله : ((ما من أحد يسلّم عليّ ...)) يقتضي ردّ الرّوح بعد السّلام ، ولا يقتضي استمرارها في الجسد ، وليعلم أنّ ردّ الرّوح الى البدن وعودها الى الجسد بعد الموت لا يقتضي استمرارها فيه ، ولا يستلزم حياة أخرى قبل يوم النّشور نظير الحياة المعهودة ، بل اعادة الرّوح الى الجسد في البرزخ اعادة برزخيّة ، لا تزيل عن**

المیّت اسم الموت ، وقد ثبت فی حدیث البراء بن عازب الطویل المشھور فی عذاب القبر ونعیمه فـی شأن المیّت وحاله أنّ روحه تعاد الی جسده ، مع العلم بأنّھا غیر مستمرّة فیه ، وأنّ ھذه الاعادة لیس مستلزمة لاثبات حیاة مزیلة لاسم الموت ، بل ھی أنواع حیاة برزخیّة ...

''یہ مذکورہ معنیٰ (حیات النبی ﷺ کا مسئلہ) حدیث میں موجود نہیں، نہ ہی یہ حدیث کا ظاہری معنیٰ ہے، بلکہ یہ تو اس کے ظاہری معنیٰ کے خلاف ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا کسی کے سلام کہنے کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ میری روح لوٹا دیتا ہے، اس بات کا مقتضی ہے کہ روح سلام کہنے کے بعد لوٹائی جاتی ہے، یہ الفاظ روح کے جسم میں ہمیشہ رہنے کا تقاضا نہیں کرتے۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بدن کی طرف روح کا لوٹایا جانا اور موت کے بعد جسم کی طرف اس کا واپس آنا اس کے ہمیشہ وہیں رہنے پر دلالت نہیں کرتا، نہ ہی وہ قیامت سے پہلے کسی دوسری زندگی کو مستلزم ہے، جو دنیوی زندگی کی طرح ہو، بلکہ برزخ میں روح کا جسم کی طرف لوٹایا جانا ایک برزخی اعادہ ہے، جو میت سے موت کا نام ختم نہیں کرتا۔

قبر کے عذاب اور اس کی نعمتوں کے بارے میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مشہور طویل حدیث (سنن ابی داوٗد : ٤٧٥٣، السمتدرك للحاکم : ٩٥/١، وسندهٗ حسنٌ) میں ہے کہ (قبر میں سوال و جواب کے وقت ہر) مردے کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جائے گی، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ وہ روح اس جسم میں ہمیشہ نہیں رہتی، نہ ہی وہ ایسی زندگی کو مستلزم ہے، جو میت سے موت کا نام ہی ختم کر دے، بلکہ وہ تو برزخی زندگی کی ایک قسم ہے۔۔۔'' (الصارم المنکی : ٢٢٢/١۔٢٢٣)

یعنی اگر روح کے لوٹائے جانے کو حیاتِ دنیوی شمار کیا جائے تو پھر مذکورہ حدیث کے مطابق ہر مسلم و کافر مردے کی روح لوٹائی جاتی ہے، کیا وہ بھی سب دنیوی زندگی زندہ ہوں گے؟ اگر یہاں روح لوٹانے سے مراد حیاتِ دنیوی نہیں تو وہاں کیوں ہے؟

بلکہ اس استدلال کے برعکس یہ حدیث تو ان لوگوں کے لیے سخت اشکال کا سبب ہے، جو لوگ حیات انبیاء کا اثبات کرتے ہیں، جیسا کہ علامہ عبید الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ھـذا مشـکـل علی من ذھب الی أنّ الأنبیاء بعد ما قبضوا ردّت الیھم أرواحھم ، فھم أحیاء عند ربّھم کالشھداء ، ووجه الاشکال فیه أنّ عود الرّوح الی الجسد یقتضی انفصالھا عنه ، وھو الموت ، وھو لا یلتئم مع کونه حیّا دائما ...

''یہ حدیث ان لوگوں کے لیے اشکال ہے، جو یہ مذہب رکھتے ہیں کہ انبیائے کرام کی ارواح قبض ہونے کے بعد دوبارہ ان کی طرف لوٹا دی گئیں ہیں، اب وہ شہداء کی طرح زندہ ہیں، اشکال کی وجہ یہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف لوٹایا جانا یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس سے جدا ہو، اسی کا نام موت ہے، یہ صورتِ حال آپ ﷺ کے ہمیشہ زندہ ہونے کے (دعویٰ کے) ساتھ فٹ نہیں آتی۔۔۔''(مرعاۃ المفاتیح: ۲۶۹/۳)

③ اگر کوئی شخص اس حدیث سے قریب کا سلام نبیٔ کریم ﷺ کا خود سننا ثابت کرے اور پھر اس سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کشید کرے تو اوّلاً اس کی صراحت کسی صحیح حدیث میں نہیں۔

ثانیاً اس فرمانِ باری تعالیٰ سے اصل بات معلوم ہوسکتی ہے کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِيْ الْقُبُوْرِ ﴾ (فاطر: ۲۲)

''آپ مُردوں کو (کوئی بات) نہیں سنا سکتے، مگر اللہ جسے چاہے سنا دیتا ہے۔''

اگر قبر کے قریب سے سننا ہی عقیدۂ حیات النبی ﷺ کی دلیل ہے تو جب اللہ چاہے تمام مسلمانوں، بلکہ غیر مسلموں کو بھی قبر کے قریب کی کوئی آواز سنا دیتا ہے، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((العبد اذا وضع فی قبرہ، وتولّی وذھب أصحابہ حتّی انّہ لیسمع قرع نعالھم ...)) ''جب انسان کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چلے جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کے آوازیں سن رہا ہوتا ہے۔۔۔''(صحیح بخاری: ۱۳۳۸، صحیح مسلم: ۲۸۷۰)

تو کیا بزعمِ خود نبیٔ کریم ﷺ کے قبر مبارک کے قریب کہے جانے والے سلام کو سن لینے کی وجہ سے حیات النبی ﷺ کی دلیل بنانے والے اس حدیث کو حیات المسلمین، بلکہ حیات بنی آدم کی دلیل بنائیں گے؟

اسی طرح غزوۂ بدر میں کفارِ مکہ کے جو لوگ قتل ہو گئے تھے، ان کو نبیٔ کریم ﷺ نے خطاب کیا اور فرمایا تھا: ((انّھم الآن یسمعون ما أقول))

''یقیناً وہ اب میری باتیں سن رہے ہیں۔''(صحیح بخاری: ۳۹۸۰، صحیح مسلم: ۲۸۷٤)

کیا بزعمِ خود قبر کے پاس سے سلام سننے کی وجہ سے حیات النبی ﷺ کا عقیدہ رکھنے والے، کافروں کے نبی ﷺ کا خطاب سننے کی وجہ سے ''حیات الکافرین'' کا عقیدہ بھی رکھیں گے؟

بات صرف اتنی ہے کہ اللہ جب چاہے مُردوں کو کوئی بات سنا دیتا ہے، چاہے وہ کافر ہی ہوں، چنانچہ اگر بالفرض قبر کے پاس کے سلام کے بارے میں یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نبیٔ اکرم ﷺ اسے خود سنتے ہیں، تو پھر

پھر بھی یہ حیات النبی ﷺ کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ عام مردوں بھی کبھی سنا دیتا ہے۔کیا عام مردوں کے لیے بھی حیات ثابت ہو جائے گی۔

پھر آپ ﷺ اس کا جو جواب دیتے ہیں، اس جواب کا تعلق بھی عالم برزخ کے ساتھ ہے، دنیاوی کانوں سے اسی لیے وہ سنا نہیں جا سکتا، لہٰذا اس سے حیاتِ النبی ﷺ کا عقیدہ ثابت کرنا صحیح نہیں!!!

۞ نیز یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ سلام دو طرح کا ہے، ایک سلام مامور ہے، یعنی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا ہے کہ:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ (الاحزاب: ۵۶/۳۳)

''اے ایمان والو! تم ان (نبیٔ اکرم ﷺ) پر درود اور بہت زیادہ سلام بھیجو۔''

اور دوسرا اسلام تحیہ ہے، یعنی وہ سلام جو کسی سے ملنے پر تحفتاً کہا جاتا ہے۔

جب اتنی بات سمجھ میں آ گئی ہے تو پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ سلامِ تحیہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو کہا جاتا تھا تو اس کا جواب آپ ﷺ دیتے تھے اور اب بھی کہا جاتا ہے تو اس کا جواب آپ ﷺ خود ہی دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں بیان ہو گیا ہے۔

یہ بات بھی بخوبی واضح کی جا چکی ہے کہ سلامِ تحیہ جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں قریب سے کہا جاتا تھا، اسی طرح اب بھی قریب سے ہی کہا جائے گا۔سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا عمل آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ سفر سے واپسی پر حجرۂ عائشہ میں قبر مبارک کے پاس جا کر یہ سلامِ تحیہ کہتے تھے، اس کے برعکس سلامِ مامور تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازوں میں ہر جگہ ہی پڑھتے تھے، اس کے لیے بھلا قبر مبارک کے پاس آنے اور سفر سے واپسی پر حاضری دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر اس سلام کا آپ ﷺ دُور سے بھی جواب دیتے تھے تو سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما قبر مبارک کے پاس کیوں جاتے تھے؟

سلامِ تحیہ آپ ﷺ کو غیر مسلم بھی کہتے تھے، جبکہ سلامِ مامور مؤمنوں کے ساتھ خاص ہے، اس کا جواب بھی آپ ﷺ خود نہیں دیتے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں اس شخص پر رحمتیں نازل فرماتے ہیں، جیسا کہ حدیثِ نبوی ہے، سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أنّ رسول اللّٰـه صلّى اللّٰه عليه وسلّم جاء ذات يوم ، والبشر يرىٰ في وجهه ، فقلنا : انّا لنرى البشر في وجهک ، فقال : انّه أتاني ملک ، فقال : يا محمّد ! انّ ربّک يقول : أما يرضيک أن لا

يصلّي عليک أحد من أمّتک الّا صلّيت عليه عشرا ، ولا يسلّم عليک الّا سلّمت عليه عشرا .

''ایک دن اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر خوشی کے آثار تھے، ہم نے عرض کی، ہم آپ کے چہرۂ مبارک میں خوشی کے آثار دیکھتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہے اور اس نے کہا ہے، اے محمد! آپ کا ربّ فرماتا ہے، کیا آپ اس بات پر خوش نہیں ہیں کہ کوئی بھی آپ پر درود پڑھے گا تو میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماؤں اور کوئی بھی آپ پر سلام کہے گا تو میں اس پر دس سلامتیاں نازل فرماؤں گا۔'' (مسند الامام احمد: ۲۹/٤، ۳۰، سنن النسائی: ۱۲۸۳، ۱۲۹۵، وسندهٗ صحیحٌ) ①

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ سلام کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ سلام جو قریب سے کہا جاتا ہے، یعنی سلامِ تحیہ اس کا جواب آپ ﷺ خود لوٹاتے ہیں، جبکہ دوسرا سلام جو دور سے کہا جاتا ہے، اس کا جواب آپ ﷺ خود نہیں لوٹاتے، بلکہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس شخص پر سلامتی نازل کرتا ہے، چنانچہ جب ہر سلام کے جواب کے لیے آپ ﷺ پر روح نہیں لوٹائی جاتی، تو اس حدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کا اثبات نہیں ہو سکتا۔

علامہ ابنِ عبد الہادی رحمہ اللہ ان دو قسموں کو یوں بیان فرماتے ہیں:

---

① اس حدیث کو امام ابنِ حبان (۹۱۵) رحمہ اللہ اور امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (الفتح الکبیر للسیوطی: ح ۱٤۲) نے ''صحیح'' کہا ہے، جبکہ حافظ عراقی نے اس کی سند کو ''جید'' قرار دیا ہے۔ (تخریج احادیث الاحیاء: ح ۱۰۰٤)

سلیمان مولی حسن بن علی ''ثقہ'' ہیں، امام ابن حبان، امام حاکم اور امام الضیاء المقدسی وغیرہم رحمہم اللہ نے ان کی حدیث کی تصحیح کر کے ان کی توثیق کی ہے۔

سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا ایک شاہد بھی مروی ہے، اس کی سند بھی ''حسن'' ہے۔ (مسند الامام احمد: ۱۹۱/۱)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۸۱۰) نے ''صحیح'' کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرک علی الصحیحین: ۳٤٥/۱) نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس کے راوی ابوالحویرث عبد الرحمٰن بن معاویہ (د، ق) جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' نہیں، بلکہ جمہور کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہیں، کیونکہ: امامِ مالک (الکامل لابن عدی: ۳۰۹/٤، الجرح والتعدیل: ۲۸٤/٥، وسندهٗ صحیحٌ)، امامِ نسائی (کتاب الضعفاء والمتروکین: ت: ۳٦٥، الکامل لابن عدی: ۳۰۹/٤) اور امام ابوحاتم ⇦

والمقصود هنا أن نعرف ما كان عليه السّلف من الفرق بين ما أمر اللّٰه به من الصّلاة والسّلام عليه وبين سلام التّحيّة الموجب للرّد الّذى يشترك فيه كلّ مؤمن حيّ وميّت ، ويردّ فيه على الكافر .... ''یہاں مقصود یہ ہے کہ ہم سلف صالحین کے مطابق وہ فرق معلوم کریں، جو مامور من اللہ درود وسلام اوراس سلام تحیہ کے درمیان ہے، جس کا جواب لوٹانا واجب ہے اوراس میں تمام زندہ ومردہ مسلمان مشترک ہیں اور جس میں کافر کو بھی جواب لوٹایا جائے گا۔''(الصارم المنکی : ۱/۱۲۵)

نیز لکھتے ہیں: وهذا السّلام لا يقتضى ردّا من المسلّم عليه ، بل هو بمنزلة دعاء المؤمن للمؤمنين واستغفاره لهم ، فيه الأجر والثّواب من اللّٰه ، ليس على المدعوّ لهم مثل ذلك الدّعاء ، بخلاف سلام التّحيّة ، فانّه مشروع بالنّص والاجماع فى حقّ كلّ مسلم ، وعلى المسلّم عليه أن يردّ السّلام ، ولو كان المسلّم عليه كافرا ، فانّ هذا من العدل الواجب ، ولهذا كان النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يردّ على اليهود اذا سلّموا بقول : عليكم ....

''یہ سلام (سلامِ مامور) سلام کہنے والے پر جواب لوٹانے کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ یہ ایک مؤمن کی دوسرے مؤمنوں کے لیے دعا اور استغفار ہوتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر وثواب ہوتا ہے، جس کے لیے یہ دعا کی گئی ہو، اس پر دعا کرنے والوں کے لیے اسی طرح کی دعا کرنا ضروری نہیں ہوتا، جبکہ سلام نیز لکھتے ہیں: فالصّلاة والسّلام عليه صلّى اللّٰه عليه وسلّم فى مسجده وسائر المساجد وسائر البقاع مشروع بالكتاب والسّنّة والاجماع ، وأمّا السّلام عليه عند قبره من داخل

⇦ (الجرح والتعدیل : ۲۸٤/٥) کی ''تضعیف'' کے مقابلے میں امام ابنِ خزیمہ (صحیح ابن خزیمۃ :۱٤٥٠)، امام احمد بن حنبل (الجرح والتعدیل : ۲۸٤/٥، وسندہٗ صحیحٌ)، امام ابنِ حبان (الثقات : ٤٠٦٠)، امام حاکم (المستدرک علی الصحیحین : ۷۲/۳) اور امام الضیاء المقدسی رحمہ اللہ (الاحادیث المختارۃ : ۹۳۰) رحمۃ اللہ علیہم کی توثیق مقدم ہوگی، نیز امام ابنِ معین کا جمہور کی موافقت والاقول (تاریخ ابن معین بروایۃ الدارمی : ٦٠٣) (توثیق والاقول) قبول کیا جائے گا۔

تحیہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے کہ وہ قرآن وسنت کی نصوص اوراجماعِ امت سے ہر مسلمان کے لیے مشروع ہے، پھر جس پر سلام تحیہ کہا گیا ہے، اس پر جواب دینا بھی واجب ہے، اگرچہ وہ (سلام کہنے والا) کافر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ اس کا ضروری حق ہے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ کو جب یہود سلام کہتے تو آپ ﷺ ان کا جواب بھی عَلَیْکُمْ کے لفظ سے دیتے تھے۔''(الصارم المنکی : ۱/۱۱۸۔۱۱۹)

الحجرة فهذا كان مشروعا لمّا كان ممكنا بدخول من يدخل على عائشة ...

'' آپ ﷺ پر درود وسلام مسجدِ نبوی، دوسری تمام مساجد اور دنیا کی تمام جگہوں میں کتاب وسنت اور اجماع کے دلائل کی وجہ سے مشروع ہے، رہا آپ ﷺ کی قبر پر حجرۂ عائشہ میں جا کر سلام کہنا تو یہ کسی شخص کے لیے اس وقت مشروع تھا، جب وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہوسکتا تھا۔۔'' (الصارم المنكى : ١١٩/١)

اگر سلام کی یہ دو قسمیں تسلیم نہ کی جائیں، بلکہ یہ اصرار کیا جائے کہ ہر سلام کا یہ معاملہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ اس کا جواب خود لوٹاتے ہیں تو اس میں جہاں مذکورہ احادیث، یعنی فرشتوں کا وہ سلام نبیٔ اکرم ﷺ تک پہنچانے اور اللہ تعالیٰ کا جواباً سلام کہنے والے پر رحمت کرنے کی تکذیب لازم آتی ہے، وہاں یہ بات عقلاً بھی محال ہے، پھر کسی حدیث میں اس بات کا اثبات بھی نہیں ہے۔

نیز ان دو قسموں کو نہ ماننے سے یہ بھی اعتراض آتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں بعض یہودی اور منافق آپ ﷺ کو سلام کہہ دیتے تھے، کیا ان پر بھی اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرماتا تھا؟ حالانکہ منافقین اور یہود پر رحمتِ الٰہی کا تصور بھی اسلام میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے سامنے آکر جو سلام کہا جاتا تھا، یعنی سلامِ تحیہ، اس کا حکم اور ہے، یہ حدیث تو سلامِ مامور کے بارے میں ہے، جو مؤمنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اسی لیے اس کا حکم صرف ایمان والوں کو دیا گیا ہے۔

$10\frac{5}{6}$ اگر آپ ﷺ قبر مبارک میں اسی طرح زندہ ہوتے، جس طرح وفات سے پہلے تھے، یعنی آپ ﷺ کی حیات برزخی نہیں، بلکہ دنیوی ہوتی اور کوئی اپنی بات آپ ﷺ کو سنا سکتا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور اپنی پریشانیاں اور مشکلات آپ ﷺ کو پیش کرتے، کم از کم اس بارے میں آپ ﷺ سے دعا ہی کرواتے، لیکن ایسی کوئی بات کسی صحابی سے ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی سلام کے علاوہ کوئی اور درخواست آپ ﷺ کی قبر مبارک کے قریب یا دُور سے کی ہو، اس کے برعکس کئی واقعات ایسے ہیں، جو صریح طور پر اس کی نفی کرتے ہیں، مثلاً سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

انّ عمر بن الخطّاب كان اذا قحطوا استسقٰى بالعباس بن عبد المطّلب ، فقال : اللّٰهمّ انّا كنّا نتوسّل اليک بنبيّنا صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فتسقينا ، وانّا نتوسّل اليک بعمّ نبيّنا ، فاسقنا ، قال : فيسقون . ''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب لوگوں پر قحط سالی آتی تو سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارش کی دعا کرتے اور کہتے، اے اللہ! یقیناً ہم تیری طرف تیرے نبی ﷺ

(کی دعا) کا وسیلہ بناتے تھے تو تو ہمیں بارش عطا کرتا تھا اور اب ہم تیری طرف تیرے نبی کے چچا (کی دعا) کا وسیلہ بناتے ہیں، تو ہمیں بارش عطا کر، چنانچہ ان پر بارش نازل کی جاتی تھی۔'' (صحیح بخاری: ۳۷۱۰)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا واسطہ دیتے تھے، نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کا، ورنہ ذات کا واسطہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بعد بھی دیا جا سکتا تھا، اگر اس واسطہ سے مراد ذات کا واسطہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کو چھوڑ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا واسطہ دینا صریح گستاخی ہے، جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صادر ہونا محال ہے، ہاں یہ واسطہ دعا کا تھا، جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں کر دیتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری باتیں نہیں سنتے، چاہے وہ قریب سے ہوں، ورنہ وہ مشکل اوقات میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی ہی درخواست کر دیتے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ سنتے، جانتے ہوتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، جیسے جلیل القدر صحابیٔ رسول کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دعا نہ کرواتے!

اسی طرح پورے ذخیرۂ حدیث و تاریخ میں باسندِ صحیح کسی ایک صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام کے علاوہ کوئی بھی درخواست و دعا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنا ثابت نہیں۔

⑤ پھر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل لوگ اس روایت کو بھی پیش کر کے استدلال کرتے ہیں:

((الأنبياء أحياء في قبورهم ، يصلّون))

''انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔''

(مسند ابی یعلیٰ: ۱۴۷/۶، ح: ۳۴۲۵، اخبار اصفهان للاصبهانی: ۸۳/۲ بحواله السلسلة الصحيحة للالبانی: ۲/ ۱۸۹، حیات الانبیاء للبیقی: ح: ۱)

قطع نظر اس بات سے کہ اس کی استنادی حیثیت کیا ہے؟ ہم ایسے لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ کے موقف کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت سلام کہا جا رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اس کا جواب دے رہے ہیں، لہٰذا حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہو گئی ہے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے وقت بھی سلام کا جواب دیتے ہیں، جو کہ احناف کے ہاں ''ممنوع'' ہے، جیسا کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''ہدایہ'' میں لکھا ہے:

ولا يردّ السّلام بلسانه ، لأنّه كلام ، ولا بيده ، لأنّه سلام معنى ....

''نمازی اپنی زبان سے سلام کا جواب نہیں دے گا، کیونکہ وہ تو کلام ہے اور نہ ہی ہاتھ کے ساتھ (اشارہ

سے جواب دے گا)، کیونکہ یہ معنوی طور پر سلام ہی ہے۔'' (الهداية : ١٤٢/١)

ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بات ہے کہ اگر فقہ حنفی برحق ہے تو آپ ﷺ کے ہر وقت اور ہر ایک کے سلام کو سننے اور جواب دینے والا قول مردود ہے اور اگر یہ قول درست ہے تو فقہ حنفی کا جنازہ نکل جاتا ہے!

$2\frac{1}{3}$ بعض لوگ اس حدیث سے مسئلہ حیات النبی ﷺ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سیدنا عیسیٰ کے آسمان سے نزول کے بارے میں فرمایا:

لئن قام علی قبری ، فقال : یا محمّد ! لأجیبنّه . ''اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہوں اور اے محمد (ﷺ)! تو میں ضرور ان کا جواب دوں گا۔'' (مسند ابی یعلیٰ : ٦٥٨٤)

لیکن اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ عبداللہ بن وہب المصری راوی ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے حدیث بیان کررہے ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں قبر مبارک پر کھڑے ہونے سے مراد سلام کہنا اور جواب سے مراد سلام کا جواب ہے، جیسا کہ اسی حدیث کی دوسری سند میں ہے: **ولیأتینّ قبری حتّی یسلّم ولأردنّ علیه .**

''وہ ضرور میری قبر پر سلام کہنے کے لیے آئیں گے، میں ضرور ان پر جواب لوٹاؤں گا۔''

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٦٥١/٢، ح : ٤١٦٢)

یہ سند بھی ''ضعیف'' ہے، اس میں محمد بن اسحاق بن یسار ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے بیان کررہے ہیں۔

ایک اور حدیث جو اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فنبیّ اللّٰه حیّ یرزق)) ''اللہ کے نبی زندہ ہیں، وہ رزق دیئے جاتے ہیں۔''

(سنن ابن ماجه : ١٦٣٧)

اس کی سند ''منقطع'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے، جیسا کہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفیه انقطاع بین عبادة بن نسیّ وأبی الدّرداء ، فانّه لم یدرکه .

''اس سند میں عبادہ بن نسی اور سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، کیونکہ اس (عبادہ) نے ان (سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ) کا زمانہ نہیں پایا۔'' (تفسير ابن كثير : ٦٢٠/٣، تحت سورة الاحزاب : ٥٦/٣٣)

نیز اس میں ایک اور وجۂ انقطاع بھی ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **زید بن أیمن عن عبادة بن نسیّ مرسل .** ''زید بن ایمن کی عبادہ بن نسی سے روایت مرسل (منقطع) ہوتی ہے۔''

(التاريخ الكبير للبخاری: ٣٨٧/٣)

غمِ حسین رضی اللہ عنہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی !

یہ نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلام کی تاریخ آلام ومصائب سے لبریز ہے، مسلمانانِ امت نبی کریم ﷺ اورسیدنا ابو بکرصدیق رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات، سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا علی بن ابی طالب کی شہادت اور دیگر اصحابِ رسول ﷺ کی شہادتوں اور وفاتوں کا غم ابھی نہ بھولے تھے کہ دس محرم الحرام ۶۱ ھ کو نواسۂ رسول، گوشۂ بتول، نوجوانانِ جنت کے سردار، گلستانِ رسالت کے پھول سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی مظلومانہ شہادت کے غم سے دوچار ہونا پڑا۔

مصیبت و پریشانی کے وقت غمناک ہونا اور اشکِ غم بہانا فطری امر ہے۔ بے صبری، جزع فزع، نوحہ و بین اور سینہ کوبی باتفاق المسلمین حرام اور ممنوع ہے۔ مصائب و آلام پر صبر و استقلال کا مظاہرہ کرنے والوں کی قرآنِ مقدس یوں مدح سرائی کرتا ہے: ﴿ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ☆ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ☆ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ (البقرۃ: ۲/۱۵۵۔۱۵۷)

''(اے نبی!) آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنادیں، وہ لوگ کہ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) کہتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں، جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت ورحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

بے صبری اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے، اس پر وعید شدید بھی وارد ہوئی ہے، جیسا کہ:

نمبر ①: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ليس منّا من لطم الخدود وشقّ الجيوب ودعا بدعوی الجاهليّة .** ''جس نے رخساروں کو پیٹا، گریبانوں کو پھاڑا اور جاہلیت کی پکار پکاری، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (صحیح بخاری: ۱۲۹٤، صحیح مسلم: ۱۰۳)

نمبر ②: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ: **أن رسول اللّٰه بریٔ من الصالقة والحالقة والشاقّة .** ''اللہ کے رسول ﷺ مصیبت کے وقت چیخنے چلانے والی، سرمنڈانے والی اور گریبان چاک کرنے والی عورت سے بری ہیں۔'' (صحیح بخاری: ۱۲۹٦، صحیح مسلم: ۱۰٤)

نمبر ③: رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں چار کام جاہلیت والے ہوں گے، جن کو (بعض) لوگ نہیں چھوڑیں گے، حسب ونسب میں فخر، نسب میں طعن وعیب، ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا اور نوحہ کرنا، نوحہ کرنے والی عورت جب توبہ نہ کرے (بلکہ اسی حالت میں مرجائے) قیامت کے دن اسے اٹھایا جائے گا تو اس پر گندھک کی قمیص اور خارش کی چادر ہوگی۔'' (صحیح مسلم: ۹۳٤)

جونہی محرم الحرام کا چاند نظر آتا ہے، ایک فرقہ بے شمار بدعات، خرافات، ہفوات، ترہات، بیسیوں محرّمات اور منکرات

کا ارتکاب کرتا ہے، جیسا کہ ماتم کرنا، سینہ کوبی، نوحہ اور بین کرنا، مرثیہ خوانی کے لیے مجالس ومحافل کا انعقاد، عزاداری، تعزیہ (قبرِ حسین رضی اللہ عنہ کی شبیہ)، تابوت (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے جنازے کی شبیہ)، تعزیہ اٹھانا (تعزیہ کو امام باڑہ یا تعزیہ خانہ سے گشت کرانے یا دفن کے لیے لے جانا)، تعزیہ کی زیارت کرنا، طلبِ حاجات کے لیے اس کے ساتھ عرضیاں باندھنا، جھک کر اسے سلام کرنا، اس کے سامنے رکوع اور سجدہ کرنا، اس کو چومنا چاٹنا، اس پر منت منوتی کے چڑھاوے چڑھانا، بچوں کو اس کے ساتھ بطورِ قیدی باندھنا، کاغذ کی روٹی کتر کر باندھنا، اس کی تزیین وآرائش کرنا، علمِ عباس نکالنا، آگ پر ماتم کرنا، زنجیروں، ٹوکوں اور تلواروں سے اپنے آپ کو لہولہان کرنا، سر پیٹنا، چہرہ پیٹنا، سر پر راکھ ڈالنا، گریبان چاک کرنا، ننگے پاؤں چلنا، پاؤں میں بیڑیاں ڈالنا، کالا لباس پہننا، سر پر چھلے مارنا، ذوالجناح (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی شبیہ) نکالنا، اس پر سواری نہ کرنا، بچوں کو اس کے نیچے سے گزارنا، چھ محرم کو علی اصغر کا جھولا نکالنا، سات محرم کو قاسم بن حسن کی مہندی نکالنا، علمِ عباس، تعزیہ اور ذوالجناح کو سجدہ کرنا، جسے سجدۂ تعظیمی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی نیاز پیش کرنا، سلسبیل لگانا، جلوس کے ساتھ ڈھول، شرنا اور دیگر آلاتِ لہو ولعب لے جانا (جیسا کہ بعض علاقوں میں ہوتا ہے)، مرد وزن کا اختلاط، دسویں محرم کو شامِ غریباں، جھوٹے قصے کہانیاں، بے سند اور من گھڑت روایات کا بیان، قرآن وحدیث کی مخالفت، اللہ اور اس کے رسولوں کی شان میں تنقیص، اصحابِ رسول ﷺ کے خلاف بغض کا اظہار اور ان کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنا، نبیٔ اکرم ﷺ کی بیویوں اور بیٹیوں کا انکار اور ان پر تنقید، بعض اہلِ بیت کی شان میں غلو اور بعض کی شان میں تقصیر، قرآن وحدیث کی باطل تاویلات، اہلِ سنت والجماعت کی توہین اور ان پر الزام تراشی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر کذب وافترا وغیرہ۔

یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مصداق ہیں: ﴿ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (فاطر: ۸/۳۵)

''کیا جس کے لیے اس کے برے عمل کو خوشنما بنا دیا گیا ہے اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگا ہے، (آپ اسے بچا سکتے ہیں؟)، اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔''

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ☆ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ (الکهف: ۱۸/۱۰۳۔۱۰۴)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے کیا ہم تمہیں اعمال کے اعتبار سے گھاٹا پانے والوں کی خبر نہ دیں؟ (یہ) وہ لوگ (ہیں) جن کی کوشش وکاوش دنیا کی زندگی میں ختم ہوگئی، وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وصار الشّيطان بسبب قتل الحسين رضى الله عنه يحدث للنّاس بدعتين ، بدعة الحزن والنوح يوم عاشوراء ، من اللّطم والصّراخ والبكاء والعطش وانشاء المراثى ، وما يفضى الى ذلک من سبّ السّلف ولعنهم وادخال من لا ذنب له مع ذوى الذّنوب حتّى يسبّ السّابقون الأوّلون ، وتقرأ أخبار مصرعه الّتى كثير فيها كذب ، وكان قصد من سنّ ذلک فتح باب الفتنة والفرقة بين الأمّة ، فانّ هذا ليس واجبا ولا مستحبّا باتفاق المسلمين ، بل احداث الجزع**

''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے شیطان لوگوں میں دوطرح کی بدعات پیدا کررہا ہے، ایک دس محرم کے دن غم ونوحہ کی بدعت، یعنی جسم پیٹنا، چیخ وپکار، رونا، پیاسے رہنا، مرثیہ پڑھنا اور وہ کام کرنا جو اس صورتِ حال تک لے جاتے ہیں، مثلاً سلف صالحین کو گالی گلوچ کرنا اور ان پر لعنت کرنا، ان لوگوں کو مجرموں کے ساتھ اس گناہ میں شریک کرنا، جو بالکل بے گناہ ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وہ قصے پڑھے جاتے ہیں، جن میں اکثر جھوٹ ہوتا ہے۔ جس شخص نے یہ کام شروع کیا تھا، اس کا مقصد فتنہ کا دروازہ کھولنا اور امت میں تفرقہ ڈالنا تھا۔ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ کام نہ واجب ہیں اور نہ مستحب، بلکہ پرانے مصائب پر جزع وفزع اور نوحہ کرنا ان چیزوں میں سے ہیں، جو اللہ ورسول کے حرام کردہ کاموں میں سے بہت بڑے ہیں۔'' والنّياحة للمصائب القديمة من أعظم ما حرّمه اللّه ورسوله ... (منهاج السنة لابن تيمية : ٣٢٢/٢-٣٢٣)

جس طرح یہودی سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور نصرانی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کے دعویدار ہیں، لیکن ان کی تعلیمات سے مکمل انحراف برتتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت کے دعویدار ہیں، لیکن ان کی تعلیمات اور سیرت وکردار سے منحرف ہیں، ان کی کتابیں ان کے فضائل ومناقب سے خالی ہیں، افسوس تو اس بات پر ہے کہ اہل سنت والجماعت جو اہل بیت سے دلی محبت رکھتے ہیں، اس کا اظہار بھی کرتے ہیں، قرآن وحدیث نے ان کا جو مرتبہ ومقام متعین کیا ہے، اسے بلا غلو وتقصیر قبول کرتے ہیں، ان کی کتابیں اہل بیت کے فضائل ومناقب سے بھری پڑی ہیں، اس کے باوجود بعض لوگ ان اہل سنت سے بغض وعداوت رکھتے ہیں، کیوں؟ اہل سنت جب ان کے ماتم پر رد وانکار کرتے ہیں تو وہ بطور طعن یہ روایت پیش کرتے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: **مات رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم بين سحرى ونحرى وفي دولتي ، لم أظلم فيه أحدا ، فمن سفهي وحداثة سنّي أنّ رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم قبض ، وهو في حجرى ، ثمّ وضعت رأسه على وسادة وقمت ألتدم مع النّساء وأضرب وجهي .**

''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے سینے پر اور میرے گھر میں ہوئی، میں نے اس میں کسی پر ظلم نہیں کیا، میری ناسمجھی اور کم عمری کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ میری گود میں تھے، پھر میں نے آپ کا سر مبارک ایک سرہانے پر رکھا اور عورتوں کے ساتھ سینہ اور منہ پیٹنے لگی۔'' (مسند احمد : ٢٧٤/٦، وسندهٗ حسنٌ)

ان عورتوں نے اس ناجائز اور حرام کام کا ارتکاب لاعلمی کی بنا پر کیا تھا، جن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں، اسی لیے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو اپنی ناسمجھی اور کم عمری کا نتیجہ خیال کررہی ہیں، ویسے بھی صحابہ کرام کا معاملہ دوسروں سے مختلف ہے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ (التوبة : ١٠٠/٩، المجادلة : ٢٢/٥٨، البينة : ٨/٩٨)

''اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے۔''

نیز فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران : ١٥٢/٣)

''اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم سے درگزر کیا ہے، اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر فضل والا ہے۔''

نیز ان کا یہ اقدام قرآن وحدیث نہیں ہے۔

اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام ابو الحسن الاشعری رحمہ اللہ (۲۶۰۔۳۲۴ھ) اہل حدیث، یعنی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یوں لکھتے ہیں:

''جس مذہب پر اہل حدیث، یعنی اہل سنت قائم ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور جو کچھ اس کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ معتبر راویوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، سب کا اقرار کرتے ہیں اور اس میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کرتے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی بے نیاز الٰہ ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اس کی کوئی بیوی ہے نہ اولاد۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جنت و جہنم حق ہیں۔ قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور قبروں والوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر (مستوی) ہے، جیسا کہ اس نے خود فرما دیا ہے کہ: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾(طٰہٰ: ۵/۲۰) (رحمٰن عرش پر مستوی ہے)، اس کے دو ہاتھ ہیں (کوئی کیفیت بیان نہیں جائے گی)، جیسے اس نے فرمایا ہے: ﴿خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾(صٓ: ۷۵/۳۸) (جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے) اور جیسا کہ فرمایا: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾(المائدۃ: ٦٤/٥) (اس کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں)، اس کی دو آنکھیں بھی ہیں (لیکن ان کی کیفیت بیان نہیں کی جائے گی)، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾(القمر: ١٤/٥٤) (وہ کشتی ہمارے آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی)، اس کا چہرا بھی ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾(الرحمٰن: ۲۷/۵۵) (اور آپ کے ربّ کا چہرا باقی رہے گا، جو ذوالجلال والاکرام ہے)۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو غیر اللہ نہیں کہا جائے گا، جیسا کہ معتزلہ اور خوارج نے کہا ہے، وہ (اہل حدیث، یعنی اہل سنت) یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ علم کی صفت سے متصف ہے، جیسا کہ اس نے خود فرما دیا ہے: ﴿أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾(النساء: ١٦٦/٤) (اس نے کتاب کو اپنے علم کے مطابق نازل کیا ہے)، نیز فرمایا: ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ﴾(فاطر: ١١/٣٥، فصلت: ٤٧/٤١) (اور نہیں حمل اٹھاتی کوئی مؤنث اور نہ اس کو جنتی ہے، مگر اس کے علم کے ساتھ)، اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کے لیے سمع و بصر کی صفات بھی ثابت کی ہیں، اللہ تعالیٰ سے ان صفات کی نفی نہیں کی، جیسا کہ معتزلہ نے ان صفات کی نفی کی ہے، اہل حدیث و سنت نے اللہ تعالیٰ کے لیے قوت کی صفت بھی ثابت کی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً﴾(فصلت: ١٥/٤١) (کیا انہیں معلوم نہیں کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے، وہ قوت میں ان سے سخت ہے)، اہل سنت نے کہا ہے کہ دنیا میں جو بھی خیر یا شر ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ﴾(التکویر: ۲۹/۸۱) (تم نہیں چاہتے، مگر یہ کہ اللہ چاہے) اور جیسا کہ سب مسلمانوں کا کہنا ہے: **ما شاء اللّٰه كان وما لم يشأ لم يكن**. یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔''(مقالات الاسلامیین لابی الحسن الاشعری: ۲۹۰۔۲۹۱)

جاری ہے۔۔۔

❀❀❀❀❀❀❀